اشاعت خاص
کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ؟؟؟
اسلام کی ہمہ گیر اور آفاقی دعوت کا ترجمان
ماہنامہ
سوئے حجاز
لاہور
کاروان اسلام
مارچ 2007ء
دین میں کوئی جبر نہیں
تفسیر کبیر سے مفتی محمد خان قادری کا معروف کالم
"کتاب زندہ"
اسلام، عیسائیت اور تلوار
شاہ بلیغ الدین کے قلم سے
قرآن کریم کی سائنسی تفسیر
ایک تنقیدی مطالعہ
(علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری)
حقانیت اسلام پر نو مسلم خواتین وحضرات کے
ذاتی مشاہدات پر مبنی تحقیقی مقالات
محبوب قادری اور مرزا مجاہد کی تحریریں
تلوار ...... جسکے زور سے اسلام پھیلا
نامور محقق، شاعر اور صحافی راجا رشید محمود کا شاہکار
کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟
پروفیسر میاں سلیم اللہ اویسی کا تحقیقی مقالہ
شہادت حسین .... در فکر اقبال
پروفیسر صدیق قمر کے قلم سے
ایک نو مسلم امریکی خاتون
عائشہ خان سے انٹرویو
...... ملاقات: ملک احمد سرور
امن وامان کا قیام کیسے ممکن ہے؟
...... علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری کے قلم سے افکار تازہ

حسن ترتیب

ماہنامہ ''سوئے حجاز'' لاہور کا زیر نظر شمارہ جنوری، فروری اور مارچ 2007ء کے لیے ہے۔ قارئین کرام نوٹ فرما لیں..........خصوصی نمبر..........ضخامت اور معیار کے ارتقاء کے سبب یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

إن نلت يا ريح الصبا يوماً إلى أرض الحرم
بلغ سلامي روضة فيها النبي المحترم
من وجهه شمس الضحى من خده بدر الدجى
من ذاته نور الهدى من كفه بحر الكرم

كتبه فاطمة الكبرى غفر الله لها ولوالديه في سنة [illegible] هجري

فاطمہ مبارکہ نفیس رقم

حمد

جمود عقل پہ طاری ہے، علم ہے محدود
کروں تو کیسے کروں مدحتِ خدائے ودود

بیاں ہو حکمتیں خلاق دہر کی کیسے
کہ میری فکر ہے معذور، فہم ہے منقود

جو خود خدا نہ کرے دستگیری شاعر کی
درِ مقفل احساس کی ہو کیسے کشود

خدا کی شان کے شایاں جہاں کے لفظ نہیں
مگر ہے کوششِ ارقام حمد تو مسعود

نظامِ ہستی کا ناظم خدائے واحد ہے
حفیظ و کافی و مسجود ہے مرا معبود

کسی کو بھی وہ کہیں پر نظر نہیں آتا
رگِ گلوئے بشر کے قریں جو ہے موجود

اسی نے ارض کو دی سبزہ زار کی صورت
تنا اسی نے ہے یہ سائبانِ چرخ کبود

جلالت اس کی ہے اور کبریائی اس کی ہے
اسی نے "کُن" سے دیا ہے ہر ایک شے کو وجود

وہ ساری حمدوں کے لائق ہے خود، مگر اس نے
کہا نبی ﷺ کو محمد اور احمد اور محمود

قبول رب ہے تو سرکار ﷺ کی سفارش سے
مرا قیام و قعود اور مرا رکوع و سجود

خدا کی راہ میں کرنے چلے جہاد اگر
تو کیوں نہ ساتھ دیں تیرا ملائکہ کے جنود

اُسی سے نجم و قمر بھیک نور کی مانگیں
جو کوئی چہرہ ہو شہرِ خدا میں گرد آلود

مجھے نصیب ہو جنت بقیع طیبہ کی
خدا جو چاہے تو مل جائے منزلِ مقصود

پھنسے ہیں کیسے نجانے ہم ان کے چنگل میں
ہیں دشمن دینِ خدا کے سبھی ہنود و یہود

خدا کے حکم کی تعمیل ہی نے ڈالا ہے
"مری دُعا کے گلے میں اثر کا ہار درود"

سب اہل دیں پہ ہے محمود کبریا کا کرم
جہانِ دنیا میں سرکار ﷺ جہاں کا درود

راجا رشید محمود

نعت رسولِ کریم ﷺ

عطا وجود و سخائے حبیب ﷺ رب ودود — ہے بے حساب بھی اور بے حصار و لامحدود

نہ کیسے کھلتا وہاں سرّ ہر غیاب و شہود — کہ لامکاں میں ہوئے جمع شاہد و مشہود

ثبات کیوں نہ ثنائے رسول ﷺ رب میں رہے — طبائع میں ہو تو ہو کس لیے نزول و صعود

نبی ﷺ ہیں عابد و ساجد مگر ہوئے محبوب — خدا محب ہوا ان کا، اگرچہ ہے معبود

جو چاہو تم کہ ہو خوشنودئ خدا حاصل — رضا ﷺ حضور کی چاہو، رکھو یہی مقصود

بشارتیں سبھی دیتے رہے ہیں سرور ﷺ کی — خلیلؑ ہوں کہ کلیمؑ و مسیحؑ یا وددؑ

اگر ہے خالق عالم حضور ﷺ کا ممدوح — تو ان کا مادِح و ناعت بھی ہے خدائے ودود

مفاد کوئی، نہ ہو شائبہ ریا کا کوئی — کراؤ جلسۂ سیرت کہ محفلِ مولود

سوئے حجاز پشیمانیوں کے ساتھ چلو — جو آنکھ نم ہو تو پیشانی ہو عرق آلود

حضور ﷺ نے یہ بتایا کہ سب رہے خاسر — ہو لہو لعب کے ہو فرعون یا کہ ہو نمرود

سوائے حمد و ثنائے رسول اکرم ﷺ کے — ہر اور بات ہے بے سود اور نامسعود

جو حفظِ حرمت سرور ﷺ میں چل پڑے عامرؔ — رہِ شماتت سرکار ﷺ کیوں نہ ہو مسدود

زِ راہِ عجز یہی تجھ سے کر رہا ہوں دُعا — خدایا! خلدِ بقیع حضور ﷺ میں ہو خلود

مری عقیدت و الفت کے سر پہ تاج سلام — ''مری دُعا کے گلے میں اثر کا ہار درود''

رہا ہے جیت کی اور استجاب کی صورت — ''مری دُعا کے گلے میں اثر کا ہار درود''

عطا ہو اس کو قبالہ حضور ﷺ بخشش کا
کہ دست بستہ ہے حاضر یہ آپ کا محمود

راجا رشید محمود

افکار تازہ

امن و امان کا قیام کیسے ممکن ہے؟

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ فرقہ وارانہ کشیدگی، وحدت امت کے لئے سم قاتل ہے۔ جبکہ اس وقت موجودہ زبوں حالی کے باعث امت کو جس قدر وحدت، اخوت و بھائی چارے کی ضرورت ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اسلام دین فطرت و مذہب محبت ہے۔ اسلام نفرتوں کے خاتمے کا پیام بر ہے۔ نسل در نسل چلنے والی دشمنیاں اسلام ہی کے نور سے نہ صرف کافور ہو جاتی ہیں بلکہ دائمی محبت میں بدل جاتی ہیں اور اس کی زندہ مثالیں عہد نبوی ﷺ کے بہترین دور میں جا بجا دیکھنے کو ملتی ہیں۔ قتل و غارت گری، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ویسے ہی ناپسندیدہ فعل ہے۔ جبکہ اسلام کے نام پر یہ قبیح فعل اور بھی قابل مذمت بن جاتا ہے۔ بلکہ اللہ کی ناراضگی کو کھلی دعوت دینے کے برابر ہے۔ ہمیں یہ بھی سوچ ہوگا کہ ہم باہمی متحد ہو کر ہی وطن دشمن و اسلام دشمن داخلی و خارجی قوتوں کے ناپاک ارادوں کو مٹی میں ملا سکتے ہیں۔ اگر ہم باہم دست و گریباں رہے تو ہمارے دشمن ہ پر غالب آ جائیں گے۔ اس قتل و غارت گری کا اہم ترین سبب فرقہ واریت ہے ایک جنون کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ محرم الحرام کے مقدس مہینے میں گزشتہ ک سالوں سے یہ فرقہ وارانہ تعصب اور منافرت اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے اور ہر سا خون مسلم کی ارزانی دیکھنے کو ملتی ہے اور اپنے کئی گھروں کو اپنے گھر کے چراغوں ہی آگ لگ جانے کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس ماہ مقد میں بطور خاص اور پورا سال بالعموم ایسے انتظامات کئے جائیں کہ باہمی محبت، وحد اور امن و سلامتی کا سفر جاری رہے۔ اس سلسلے میں ہمیں جو کردار ادا کرنا تھا وہ نہ کیا۔

ہم نے دیکھا کہ مسجدیں جو دارالامن تھیں۔ مقتل بن گئیں۔ مسلکی اختلافات کو دور کرنے کے لئے دلائل کی بجائے کلاشنکوف کی زبان رائج ہو گئی۔ فرقہ واریت میں ملوث جماعتیں ایک دوسرے کے قائدین اور علماء کے قتل کی ذمہ داری کھلم کھلا قبول کر لیتی ہیں۔ بات اختلاف رائے سے بڑھتے بڑھتے مخالفت تک پہنچی اور اب مخالفت سے مسلح تصادم تک آن پہنچی ہے اور پورا ملک اس مسلح تصادم کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے ہم حالات کا رخ موڑ دیں اور ایسی تجاویز بروئے کار لائیں جن پر عمل درآمد سے فرقہ وارانہ کشیدگی، تعصب اور منافرت رفتہ رفتہ اس معاشرے سے ختم ہو جائے۔ حکومتی سطح پر فرقہ واریت کی بناء پر قتل و غارت اور دہشت گردی میں ملوث جماعتوں کو فوری طور پر کالعدم قرار دینے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ خیال بھی رکھا جائے کہ ان پر پابندی موثر ہو تاکہ ان کی سرگرمیاں یکسر ختم ہو سکیں۔ اگر وہ زیر زمین سرگرمیاں جاری رکھنے میں کامیاب رہیں تو حکومتی پابندی سے بہتر نتائج حاصل نہیں ہوں گے۔ حکومت کے پاس پابندی سے قبل ان کی قیادت کے ساتھ ڈائیلاگ کا راستہ بھی موجود ہے۔ اگر بوجوہ یہ کارگر نہ ہو تو حسب ضرورت قانونی کارروائیاں بھی کی جا سکتی ہیں۔ حکومتی سطح پر یہ اہتمام بھی ہونا چاہئے کہ اندرون ملک فرقہ واریت کو ہوا دینے والے لٹریچر اور کتب کی اشاعت پر قانوناً پابندی عائد کر دی جائے۔ اسی طرح بیرون ممالک سے درآمد ہونے والے فرقہ واریت پر مبنی لٹریچر پر بھی قانوناً مکمل پابندی عائد ہو۔

مساجد کی انتظامی کمیٹیوں کو قانوناً پابند بنایا جائے کہ وہ مساجد میں بطور آئمہ و خطباء صرف مستند علماء کرام کا ہی تقرر کر سکیں کیونکہ فرقہ واریت کے پودے کو پروان چڑھانا دراصل جہلاء کا ہی کارنامہ ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کو فرقہ واریت کے خلاف ذہن سازی کے لئے بھرپور استعمال کیا جائے۔ کیونکہ میڈیا کے اثرات بہرصورت مسلّم

ہیں۔ جلسے جلوسوں، تبلیغی اجتماعات اور جمعہ میں کی جانے والی تقاریر اور مقررین خطباء کو متفقہ ضابطۂ اخلاق کا پابند بنایا جائے اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

حکومت کو چاہئے کہ وہ مثبت مذہبی جدوجہد میں مشغول جماعتوں کی حوصلہ افزائی کرے اور تمام مکاتب فکر کے سنجیدہ اور درد دل رکھنے والے علماء کو وسیع البنیاد اتحاد قائم کرنے اور باہمی کشیدگی کے خاتمے کے لئے قوم کو علمی وفکری بنیادیں فراہم کرنے کے لئے سازگار ماحول مہیا کرے۔ دانش مندی اور بصیرت کا تقاضا یہی ہے کہ حکومت اچھے اور برے کا امتیاز کرے جو بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ دہشت گردی میں ملوث ہو اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن موہوم خطرات کی بنیاد پر دینی مدارس کے ساتھ ناروا سلوک کسی طور پر بھی بجا نہیں۔ جہاں بروں کے خلاف کارروائی ناگزیر ہے اچھوں کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے۔ ویسے بھی حکومت تنہا یہ کام نہیں کر سکتی اس کار خیر کے لئے حکومت کو بہرصورت علماء اور مبلغین ہی کا تعاون درکار ہے۔

فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے جو ضابطۂ اخلاق بنایا جائے اس کا ہدف مسلکی شخصیات کا خاتمہ نہ ہو بلکہ اس کے ذریعے ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس میں تمام مسالک کے لوگ ''جیو اور جینے دو'' کا راستہ اختیار کر لیں اور ''اپنا عقیدہ مت چھوڑو'' دوسرے کا عقیدہ مت چھیڑو'' کے اصول پر عمل پیرا ہو جائیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہرزہ سرائی، نفرت و تعصب اور تکفیر کے حملوں سے باز آ جائیں۔

محرم الحرام یا دیگر مذہبی مواقع پر سکیورٹی کے ٹھوس انتظامات کئے جائیں۔ وقت نے ثابت کیا ہے کہ بہتر منصوبہ بندی اور ٹھوس انتظامات کی وجہ سے دہشت گردی کی ممکنہ وارداتوں میں یقینی طور پر کمی آ جاتی ہے۔

حزب اختلاف کو بھی انسداد دہشت گردی کے لئے حکومت کا ساتھ دینا چاہئے کیونکہ اس معاملہ میں قومی یکجہتی کی فضاء پیدا کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ دہشت گردی کا خمیازہ بہر صورت ہمیں ہی بھگتنا پڑے گا۔ انفرادی اور خاندانی سطح پر بھی اور قومی اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ اسلئے ہمیں من حیث القوم دہشت گردی کے خاتمے کے لئے کمربستہ ہونا چاہیئے۔ ہمیں تمام تر طبقاتی اور گروہی مفادات اور وفاداریوں سے بالاتر ہو کر شعوری سطح پر دہشت گردی کے خاتمے کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ فرقہ وارانہ تعصبات اور اس کی بنیاد پر ہونے والی دہشت گردی کا خاتمہ اگرچہ صبر آزما اور طویل المدت کام ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ اگر اس سمت میں مہم بلاتاخیر سفر شروع کر دیں تو ہم آنے والی نسلوں کو ایک بہتر مستقبل دے سکتے ہیں اس سے نہ صرف ہماری نسلیں دہشت گردی کے عفریت سے نجات حاصل کر سکیں گی بلکہ ہمارا ملک امن و سلامتی کا گہوارا بن جائے گا اور اقوام عالم میں بھی ہمارا وقار بلند ہوگا۔

محمد خلیل الرحمٰن قادری
(مدیر اعلیٰ)

نغمۂ میلادُ النّبی صلّی اللہُ عَلَیہِ وآلہٖ وسلّم

نذر گزار .... محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

انسانیت کے قافلہ سالار آ گئے / نوعِ بشر کے سرور و سردار آ گئے
احسان مومنوں پہ خدا نے جنہیں کہا / خوشیاں مناؤ مومنو سرکار آ گئے
ہاں جن کو اپنا نور خدا نے کہا وہی / حق کے حبیب، دلبر غفار آ گئے
پہنے ہوئے لباسِ بشر، فرشیوں کے پاس / مہمانِ عرش، پیکر انوار آ گئے
جن کی مثال ازل سے ابد تک نہیں کوئی / جو قدرت خدا کے ہیں شہکار آ گئے
ویرانے کی طرح تھی زمانے میں زندگی / اُس کو بنانے گلشن و گلزار آ گئے
ہر بیکس و حزیں کے وہ ہمدرد و خیر خواہ / ہر غم زدہ کے مشفق و غمخوار آ گئے
چوکھٹ پہ جن کی خم ہیں زمانے کی گردنیں / جو جبرئیل کے بھی ہیں سردار آ گئے
اُن کے خدا نے اُن کو بہت کچھ عطا کیا / جنت ہے جن کی مِلک وہ مختار آ گئے
سب سے زیادہ علم خدا نے جنہیں دیا / جو ہیں خدا کے محرمِ اسرار آ گئے
جن کی حیات جن کا عمل جن کی گفتگو / سب کے لئے ہے اُسوہ و معیار آ گئے

طارق نہیں ضلالت و ظلمت کا ڈر ہمیں
اُوجِ ہدیٰ کے نیر ضو بار آ گئے

کتاب زندہ

اسلام کا بنیادی وسنہری اصول

دین میں جبر نہیں

تفسیر......امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ

ترجمہ......مفتی محمد خان قادری

لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی فمن یکفر باالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لانصام لھا واللہ سمیع علیم (البقرہ:۲۵۶)

کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہوگئی ہے۔ نیک راہ گمراہی سے جو شیطان کو نہ مانیں وہ اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

اس میں دو مسائل ہیں۔

مسئلہ اولیٰ

الدین کے الف لام میں دو اقوال ہیں۔

۱۔ یہ لام عہد ہے۔

۲۔ یہ اضافت کے عوض ہے مثلاً فرمان الٰہی ہے۔

فان الجنۃ ھی الماویٰ (النازعات:۴۱)

یعنی ان کا ٹھکانہ جنت ہے۔

تو یہاں اللہ کا دین مراد ہوگا۔

مسئلہ ثانیہ، آیت کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔

قول اوّل

شیخ ابو مسلم اور قفال کا قول یہی ہے اور یہ اصول معتزلہ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ ایمان کا معاملہ جبر و قہر پر نہیں بلکہ اس کی بنیاد قدرت و اختیار پر ہے۔

شیخ قفال نے اس پر یوں استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید پر بڑے واضح، کامل اور شافی دلائل ذکر کیے جو ہر عذر کو ختم کر دیتے ہیں۔ اب ان دلائل وو ضاحت کے بعد کفر پر قائم رہنے کے لئے کافر کے پاس کوئی عذر نہیں البتہ یہ کہ اسے ایمان پر مجبور کیا جائے اور یہ دار دنیا میں جائز نہیں کیونکہ یہ دار امتحان ہے اور دین پر قہر و جبر میں ابتلاء و امتحان کا معنیٰ مفقود ہو جاتا ہے' اس کی نظیر ارشاد گرامی ہے۔

فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر (الکھف:۲۹)

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

دوسری سورت میں فرمایا۔

ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (یونس:۹۸)

اگر تمہارا رب چاہتا ہے زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کرو گے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں۔

سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۳۔۴ میں فرمایا:

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ان نشاء ننزل علیھم من السماء ایۃ فظلت اعناقھم لھا خاضعین

کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی اتاریں کہ ان کے اونچے اونچے اس کے حضور جھکے رہ جائیں۔

اس آیت کے الفاظ بھی اس قول کی تائید کرتے ہیں۔

قد تبین الرشد من الغی — بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے۔ (البقرہ:۲۵۶)

یعنی دلائل ظاہر ہو چکے اور بینات واضح اس کے بعد تو جبر و اکراہ اور قہر ہی رہ جاتا ہے اور یہ جائز نہیں کیونکہ یہ منافی تکلیف ہے اس تاویل و معنی کی یہی تفصیل ہے۔

قول ثانی

اس کی تاویل میں دوسرا قول یہ ہے کہ اکراہ یہ ہے کہ مسلم، کافر سے یوں کہے اگر تو ایمان لے آئے تو ٹھیک ورنہ میں تجھے قتل کر دونگا تو فرمایا:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ — کچھ زبردستی نہیں دین میں۔

باقی اہل کتاب اور مجوسی اگر وہ جزیہ قبول کریں تو ان سے قتل ساقط ہو جائے گا۔ اگر کفار یہودی یا نصرانی ہوں تو ان میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کے حال پر رہنے دیا جائے۔ اس صورت میں اگر جزیہ قبول کر لیں تو قتل ساقط ہو جائیگا۔ ان کے مذہب کے مطابق ارشاد لا اکراہ فی الدین تمام کفار کے حوالے سے ہے۔ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ کفار یہود یا نصرانی ہوں تو انہیں نہیں چھوڑا جائے گا تو اب ان کے حق میں یہ اکراہ و جبر درست ہے تو اب لا اکرہ صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہوگا۔

قول ثالث:

جنگ و حرب کے بعد جو دین میں داخل ہوا اسے یہ نہ کہو یہ مجبوراً داخل ہوا ہے کیونکہ جب حرب کے بعد اس کی رضا پائی جارہی ہے تو اس کا اسلام درست ہوگا اور وہ مکرہ و مجبور نہیں پائے گا۔

مفہوم یہ ہوا کہ اس کی نسبت اکراہ کی طرف نہیں کی جائے گی اس کی نظیر ارشاد الٰہی ہے۔

ولاتقولوا عن القی الیکم السلام لست مومنا — اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔

(النساء:۶۴)

ارشاد قد تبین الرشد من الغی کی تفسیر

یہاں دو مسائل ہیں۔

مسئلہ اولیٰ:

جب شی ظاہر و واضح ہو تو کہا جاتا ہے۔ بان الشی والستبان وتبین، اس سے محاورہ ہے معنی قد تبین الصبح لذی عینین۔ (بینا کے سامنے صبح طلوع ہوگئی) ہمارے نزدیک ایضاح اور تعریف کو بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ مقصود اور غیر مقصود میں فرق و امتیاز کر دیتے ہیں۔ الرشد، لغت میں خیر کا پانا۔ اس میں دو لفظ لغات ہیں رُشدُ رُشدُ الرشاد بھی رشد کی طرح مصدر ہے۔ الغی۔ یہ رشد کی ضد و نقیض جب کوئی غلط راستہ پر چلے تو کہا جاتا ہے غوی یغوی۔ غیا وغوایۃ۔

مسئلہ ثانیہ:

تبین الرشد من الغی یعنی حق، باطل سے ایمان، کفر سے ہدایت گمراہی سے کثرت دلائل اور حجج کے ساتھ ممتاز ہوگیا۔

قاضی کہتے ہیں قد تبین الرشد کا معنی ہے کہ حق دلائل کے ساتھ واضح اور روشن ہوگیا ہے یہ نہیں کہ ہر مکلف متنبہ ہوگیا کیونکہ یہ معلوم ہے۔

میں کہتا ہوں ہم نے تبین کا معنی ذکر کیا جدا و ممتاز ہونا تو مراد یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی کے درمیان قوت دلائل اور تاکید براھین سے امتیاز ہو چکا لہذا الفاظ اپنے ظاہر پر ہونگے۔

فمن یکفر بالطاغوت کی تفسیر

اہل نحو لکھتے ہیں طاغوت بہ وزن فعلوت ہے مثلاً جبروت، تازاہدہ ہے اور یہ طغا سے مشتق ہے تو اصلاً یہ طغووت تھا، ضابطہ کی وجہ سے لام فعل، عین کلمہ کی جگہ چلا گیا مثلاً الصاقعۃ والصاعقۃ پھر ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے واؤ، الف سے بدل گیا۔

شیخ مبرد کہتے ہیں میرے نزدیک سب سے درست یہ ہے کہ طاغوت جمع ہے۔

شیخ ابوعلی فاسی کہتے ہیں ہمارے نزدیک بات یوں نہیں کیونکہ طاغوت ورغبوت ورہبوت اور ملکوت کی طرح مصدر ہے یہ تمام اسماء واحد ہیں تو اس طرح یہ اسم بھی مفرد ہے نہ کہ جمع اور اس کے مصدر مفرد ہونے پر یہ ارشادات دال ہیں۔

اولیاء هم الطاغوت — ان کے حمایتی شیطان ہیں۔

(البقرہ:۲۵۷)

تو جمع کے مقام پر مفرد ہے جیسے ہم رضاع عدل، اہل علم کہتے ہیں یہ واحد و جمع کے لئے آتا ہے یہ واحد کی مثال یہ ارشاد الٰہی ہے۔

یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به — پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں۔

(النساء:۶۰)

اور جمع کی مثال ارشاد الٰہی ہے۔

والذین کفروا اولیاء هم الطاغوت — اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں۔

(البقرہ:۲۵۷)

فرماتے ہیں اصل اس میں مذکر ہونا ہے باقی اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔

الذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوها — اور وہ جو بتوں کی پوجا سے بچے۔

(الزمر:۱۷)

میں لفظ الهۃ کی رعایت کی گئی ہے۔

طاغوت میں پانچ اقوال

جب یہ جان لیا تو مفسرین کے پانچ اقوال سنیے۔

۱۔ حضرت عمر، مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک طاغوت سے شیطان مراد ہے۔

۲۔ حضرت سعید بن جبیر، کاھن کا قول کرتے ہیں۔

۳۔ حضرت ابوالعالیہ کے نزدیک ساحر مراد ہے۔

۴۔ بعض نے کہا، بُت

۵۔ نافرمان جن وانس اور ہر باغی وسرکش

تحقیق یہ ہے کہ جب ان اشیاء کے اتصال سے سرکشی آتی ہے تو ان اشیاء کو سرکشی کے اسباب قرار دیا گیا ہے جیسے فرمایا۔

رب انهن اضللن کثیراً من الناس — اے میرے رب بے شک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے۔

(ابراہیم:۳۶)

ارشاد ویومن باللہ میں یہی اشارہ ہے تو کافر پہلے کفر سے توبہ کرے اور پھر ایمان لائے۔

فقد استمسك بالعروۃ الوثقی کی تفسیر

جب کسی شے سے استدلال کیا جائے تو کہا جاتا ہے استمسك بالشئی۔ عروہ (رسی) کی جمع عرا مثلاً ڈول اور کوزے کی رسی، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ عروہ اس شئے کا نام ہے جس کا شئے سے تعلق ہو۔

الوثقی، اوثق کی مؤنث ہے یہ معقول کا محسوس سے بیان ہے کیونکہ اگر کوئی کسی شئے کو روکنا چاہتا ہے تو وہ اس کی رسی تھامتا ہے یہاں بھی یہی معاملہ ہے جو اس دین کو تھامنا چاہتا ہے وہ اس پر دال دلائل کا سہارا لئے چونکہ اسلام کے دلائل سب سے اقویٰ اور واضح ہیں اس لئے انہیں مضبوط رسی کا نام دیا ہے۔

لاانفصام لها کی تفسیر

اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اولیٰ

انفصم۔ شی کا اس طرح ٹوٹنا کہ جدا نہ ہو، انفصام انفصم کا مطاوع ہے یہاں مقصود مبالغہ ہے کیونکہ جب اس میں انفصام نہیں تو انقطاع بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔

مسئلہ ثانیہ

اہل نحو کہتے ہیں آیت کا نظم یوں ہے۔ **العروة الوثقى التي لا انفصام لها۔**

عرب، **التی' الذی** اور **من** محذوف کر کے ان کے صلوں کا ذکر کرتے ہیں۔

سلامہ بن جندل نے کہا۔

والعادیات اسامی للدماء بها، کان اعناتها انصاب ترجیب

مراد **العادیات التی** ارشاد الٰہی ہے۔

وما منا الاله' مقام معلوم اورفرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہوتا ہے۔ (الصافات:۱۶۴)

یعنی من لہ۔ پھر فرمایا۔

والله سميع عليم اور اللہ سُنتا جانتا ہے۔

اس میں دو اقوال ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے شہادتوں (توحید و رسالت) کے اعلان کو اور کفر کے اعلان کو سننے والا ہے۔
اسی طرح وہ بندہ مومن کے اعتقاد، ظاہر اور قلب کافر کے برے اعتقاد کو جانتا ہے۔

۲۔ حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا' رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ کے اردگرد یہود کے اسلام کو پسند کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اعلانیہ اور خفیہ دُعا کیا کرتے تو **واللہ سمیع علیم** سے مراد یہی ہے اے نبی وہ آپ کی دُعا سننے والا اور آپ کی محنت و تمنا کو جانتا ہے۔

ایک تنقیدی مطالعہ

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر

تحریر........مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری

گذشتہ دوصدیوں کے دوران دنیا میں عظیم علمی اور سائنسی انقلاب آیا ہے۔ علوم جدیدہ اور ٹیکنالوجی کے اس انقلاب نے حق و باطل' فتح و شکست' علم و جہل اور کامرانی و ناکامی کے سارے معیار اور پیمانے بدل کر رکھ دیئے ہیں' تھیوری سائنس کی موٹی کتابوں سے نکل کر پریکٹیکل کی حدود میں داخل ہوگئی۔ معقولات نے محسوسات اور محسوسات نے مشاہدات تک وسعت اختیار کر لی' دنیا کا کوئی فرد' جماعت' یا قوم اس انقلاب کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا چنانچہ اس انقلاب نے امت اسلامیہ کو بھی علمی' فکری اور عملی ہر شعبہ میں متاثر کیا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس انقلاب کے مثبت اثرات و نتائج دوسروں کے حصہ میں آئے اور منفی اثرات پر ملت بیضاء کو قناعت کرنا پڑی' وہ قوم جو پہلے ہی زوال و انحطاط کے دہانے پر کھڑی تھی اس حملہ کو برداشت نہ کر سکی۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ زوال ملت مغربی انقلاب کے سبب ہوا یا پھر مغربی انقلاب کی راہیں زوال ملت کی وجہ سے ہموار ہوئیں' بہرحال یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مغربی انقلاب' علوم جدیدہ اور زمانے کی رفتار ہی بہت کچھ اس زوال کے ذمہ دار ہیں۔ اس خیال نے ایک نئی فکر کو جنم دیا کہ ملت کو زوال کی پستیوں سے نکال کر اوج ثریا پر لے جانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ زمانے کی برق رفتاری کا ساتھ دیا جائے اور ان علوم جدیدہ ہی کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا جائے مگر بعض لوگوں نے اس فکر کو زوال پذیر قوم اور شکست خوردہ ذہنیت کا احساس کمتری قرار دیا' چنانچہ یہیں سے قدامت پرستی اور جدت پسندی کی کشمش شروع ہوگئی ملت کی فکری سطح پر یہ دو قسم کے مکاتب فکر وجود میں آگئے اور دونوں مکاتب کے علمبردار دو متضاد سمتوں میں سفر کرنے لگے' ایک نے

نوا گری کے شوق میں صحن چمن اور کنج قفس کی قید اٹھا دی تو دوسرے نے بلبل کی نوائے شیریں پر گل کے تبسم کو بھی توہین گلشن قرار دیا۔ افراط و تفریط کی اس کشمکش کا دائرہ فکری سطح سے بڑھ کر تعلیمی' ثقافتی اور تہذیبی سطحوں تک وسیع ہو گیا' ظاہر ہے کہ پھر علوم اسلامیہ پر اس کا اثر کیوں نہ ہوتا؟ نتیجتاً تفسیر اور علوم قرآن کو بھی اس معرکہ آرائی میں مشق ستم بنالیا گیا۔ ایک طبقہ ہر نئی ایجاد اور جدید تحقیق کو قرآن کے مطابق یا قرآن کو اس کے مطابق ثابت کرنے پر اصرار کرنے لگا جب کہ دوسرے طبقہ نے صدیوں پرانی تفسیرات ہی کو حرز جاں بنائے رکھنے پر زور دیا اور اس میں ایک حرف کی تبدیلی کو بھی گوارا نہ کیا کیونکہ ہر نئی چیز مارکیٹ میں مقبول ہوتی ہے اور پرانی چیز اس کے سامنے اپنی کشش کھو بیٹھتی ہے۔ لہٰذا اس دوسری فکر کو قدامت پرستی اور تنگ نظری کہہ کر ٹکسال باہر کر دیا گیا جبکہ پہلی فکر کو روشن خیالی اور جدت پسندی کے نام پر خوب مقبولیت حاصل ہوئی' یہ پذیرائی اور مقبولیت اس حد تک پہنچ گئی کہ روشن خیال' بلند فکر اور محقق کہلانے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس موضوع پر ضرور قلم اٹھایا جائے۔

چنانچہ ''قرآن اور سائنس'' کے عنوان سے درجنوں کتابیں منظر عام پر آگئیں' ان کتب کا گہرا مطالعہ کر کے ہم ان کے مصنفین و مؤلفین کو کئی طبقات میں تقسیم کر سکتے ہیں مثلاً ایک طبقہ وہ ہے جو مغربی علوم اور اس کی ترقی سے بے پناہ متاثر اور مرعوب ہے ساتھ ہی وہ اپنی وابستگی اسلام سے بھی رکھنا چاہتا ہے' چنانچہ اس طبقہ نے قرآن اور سائنس کی تطبیق کے نام پر اپنی تحقیق کا آغاز کیا مگر تحقیق کے پہلے ہی مرحلہ میں سائنس اور اس کی تمام تر تحقیقات کو حرفِ آخر تسلیم کر لیا اور قرآن کو ان تحقیقات کے مطابق یا ان تحقیقات کو قرآن کے مطابق ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا' اب جو آیات ان کے تسلیم کردہ حقائق کا ساتھ نہ دے سکیں تو بجائے اس کے کہ قرآن کے فرمودات کے سامنے سپرِ تحقیق ڈال دی جاتی اور سائنسی تحقیقات میں نظر ثانی کی جاتی ان حضرات نے اپنے تسلیم شدہ معانی پہنانے کے لئے قرآنی آیات میں تاویل' تکلف'

تحکم اور کھینچ تان سے بھی دریغ نہیں کیا اور اس کام کو اپنے زعم میں اسلام اور قرآن کی جلیل القدر خدمت قرار دیا' ان مؤلفین میں ایک دوسرا طبقہ ایسا ہے جسے علوم قرآن میں تو خاصا درک ہے مگر عصری علوم اور سائنس وغیرہ پر زیادہ گہری نظر نہیں ہے ان حضرات کی گراں قدر تحقیقات نے وہ گل بوٹے کھلائے کہ اغیار کی نظر میں قرآن کا اعجاز ثابت ہونے کی بجائے الٹا اسلام اور قرآن کا مذاق بن کر رہ گیا۔ بعض حضرات سائنس اور عصری علوم میں کچھ زیادہ ہی گہری نظر رکھتے تھے ان لوگوں نے قرآن کو کتاب ہدایت کی بجائے فزکس' کیمسٹری' زولوجی' باٹنی اور اسٹرانومی کی کتاب بنا کر رکھ دیا۔ چوتھا اور سب سے آخری طبقہ اُن عالی مرتبت محققین کا ہے جن کو نہ تو علوم قرآن کا کوئی خاص درک ہے اور نہ ہی علوم عصریہ سے کوئی واسطہ ہے یہ حضرات محض محققین اور روشن خیالوں کی صف میں شامل ہونے کے شوق میں قلم لے کر میدان میں کود گئے اور وہ وہ تحقیق گل افشانیاں کیں کہ............

جو میں بت کدے میں بیاں کروں تو صنم بھی بولے ہری ہری

(اقبال)

زیر نظر مقالہ میں ہم اسی افراط و تفریط پر ایک تفصیلی اور تنقیدی نظر ڈالیں گے۔

ہم نے اوپر عرض کیا تھا کہ اس طریقۂ تفسیر کے انتہا پسند حامی بھی ہیں اور متشدد مخالف بھی یہ دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل رکھتے تھے ہم ذیل میں فریقین کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور آخر میں اس طریقۂ تفسیر پر اپنی ناقص رائے کا اظہار کرتے ہوئے مقبول اور درست سائنسی تفسیر اور غیر مقبول و غیر صحیح سائنسی تفسیر کی مثالوں کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کرینگے سب سے پہلے ضروری ہے کہ سائنسی تفسیر کا مفہوم اور معنی واضح کر دیا جائے تاکہ آگے چل کر خلطِ مبحث نہ ہو۔

استاذ گرامی ڈاکٹر جمال مصطفیٰ النجار اس طریقۂ تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بیان الآیات القرآنیة الواردة فی شان الآفاق والانفس وشرحا بمکتشفات العلم الحدیث — قرآن کی وہ آیات جو انفس و آفاق کے بارے میں وارد ہیں ان کا بیان اور جدید سائنسی ایجادات اور تحقیقات کے ذریعہ ان کی شرح'' (۱)

بنیادی طور پر اس طریقہ تفسیر کے جواز کے لئے دو دلیلیں دی جاتی ہیں' ایک تو یہ کہ قرآن کریم میں تمام علوم اولین و آخرین موجود ہیں' دوسری یہ کہ اس قسم کی تفسیرات سے اس سائنسی دور میں قرآن کریم کا اعجاز ثابت ہوتا ہے' جس سے آج کے سائنس پرست دماغ کو اسلام سے قریب لانے میں مدد ملے گی' سائنسی تفسیر کرنے والے کسی جدید سائنسی نظریہ کو قرآن کریم کے مطابق ثابت کرکے یہ دکھاتے ہیں کہ اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس میں وہ سائنسی نظریہ کیسے ہوسکتا تھا جس کا انکشاف قرآن کریم کے نزول کے چودہ سو سال بعد ہوا ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کسی انسان کا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اس سلسلہ میں قرآن کریم کی جو آیات پیش کی جاتی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(الف) ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شیء — ہم نے اُتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا۔

(ب) مافرطنا فی الکتاب من شئی — نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو۔

(ج) ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین — نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں۔

(د) سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق — ہم دکھائینگے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی کچھ آیات ہیں جو سائنسی تفسیر کے حامیان اس طریقہ تفسیر کے جواب میں پیش کرتے ہیں ان آیات کے معنی و مفہوم پر ہم آئندہ صفحات میں تفصیلی گفتگو کریں گے' ان قرآنی آیات کے علاوہ اس طریقہ تفسیر کے حامی بعض اسلاف کی کتب سے بھی دلیل لاتے ہیں' مثلاً امام غزالی' امام فخر الدین رازی' امام جلال الدین سیوطی وغیرہ نے بھی قرآن کریم سے دنیا جہان کے علوم وفنون کے استخراج و استنباط کی نہ صرف دعوت دی ہے بلکہ عملی طور پر تفسیر اور علوم قرآن پر لکھتے وقت ان علوم سے استفادہ بھی کیا ہے ہم یہاں اختصار کے ساتھ بعض متقدمین کی آراء کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں تاکہ سائنسی تفسیر کے حامیوں کا موقف واضح دلائل کے ساتھ سامنے آسکے۔

امام غزالیؒ کی رائے

امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں ''فھم القرآن وتفسیرہ بالرائی من غیر نقل'' کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے۔ اس باب کے بعض مقامات کا ترجمہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں (۷)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کا معنی آیت کے لفظی اور ظاہری ترجمہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے وہ یہ جان لے کہ اگرچہ اپنی فہم اور اس معلومات کی حد تک وہ درست سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ خطا پر ہے۔ اس لیے کہ اخبار و آثار دلالت کرتے ہیں کہ ارباب فہم کے لیے معانی قرآن کا دائرہ بہت وسیع ہے' حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندے کو قرآن کا فہم عطا فرماتا ہے اگر قرآن کے معانی صرف ظاہری ترجمہ وتفسیر تک محدود ہیں تو پھر آخر اس فہم کا کیا مطلب ہے؟

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''بعض علماء نے کہا ہے کہ ہر آیت کے ساتھ ہزار فہم ہیں بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ قرآن ستر ہزار دو سو علوم پر مشتمل ہے۔'' مزید فرماتے ہیں:

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "جو اولین و آخرین کے علوم جاننا چاہتا ہے وہ قرآن میں تدبیر وتفکر کرے" ظاہر ہے کہ یہ صرف ظاہری معنی سمجھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ کے افعال وصفات میں جملہ علوم داخل ہیں اور قران میں انہیں افعال و صفات کی شرح ہے لہٰذا ان علوم کی کوئی انتہا نہیں ہے اور قرآن میں ہر علم کی طرف اشارہ موجود ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔

"بلکہ وہ علوم نظریات و معقولات جن میں خلائق کی عقلیں دنگ ہیں ان سب کی طرف بھی قرآن میں رموز و اشارات موجود ہیں۔ جو صرف اہل فہم پر روشن ہوتے ہیں۔" (۸)

امام غزالی نے اپنی ایک دوسری کتاب "جواہر القرآن" میں بھی اس مسئلہ پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے' اس کتاب میں انہوں نے چوتھی اور پانچویں فصل اس موضوع کے لیے خاص کی ہے' چوتھی فصل میں انہوں نے قرآن کریم سے علوم دینیہ کے استخراج و انشعاب کی کیفیت بیان کی ہے اور پانچویں فصل میں "کیفیۃ انشعاب سائر العلوم من القرآن" کے عنوان سے علم طب' نجوم ہیئت و فلکیات' تشریح الاعضاء' سحر اور طلسمات کی طرف قرآنی اشارات کی نشاندہی کی ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں۔

"قرآن میں تدبیر وتفکر کرو اور اس میں عجائب وغرائب تلاش کرو' تم اس میں علوم اولین و آخرین کا مجموعہ پاؤ گے اور یہ فکر و تدبر تمہیں اجمال سے تفصیل کی طرف لے جائے گا۔ کیونکہ علوم قرآن ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔" (۹)

امام فخر الدین رازیؒ

امام غزالیؒ کی طرح امام رازیؒ نے بھی اس سلسلہ میں کافی کچھ لکھا ہے اور قرآن میں تفکر و تدبر کر کے بڑی شد و مد سے علوم اولین و آخرین اور علوم عقلیہ ونقلیہ کا استخراج کیا ہے۔ آپ نے اپنی معرکتہ الآراء تفسیر "تفسیر کبیر" میں اس سلسلہ میں بڑی طویل بحثیں فرمائی ہیں' وہ آیات جو زمین و آسمان' شمس وقمر' دشت و جبل اور انسان کی روح و جسم کے

سلسلہ میں اشارات کرتی ہیں ان کی تفسیر میں اپنی عقل و رائے کے علاوہ ان علوم عقلیہ سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے جو آپ کے زمانے میں رائج تھے۔ اس تفسیر میں عقل و فلسفہ کا رنگ کچھ اس حد تک غالب ہے کہ بعض حضرات نے تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "تفسیر کبیر میں تفسیر قرآن کے علاوہ ہر چیز موجود ہے" غالباً امام صاحب کو اس تنقید کا پہلے سے ہی اندازہ تھا لہٰذا ایک مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"ممکن ہے کہ بعض جہال اور احمق قسم کے لوگ یہ اعتراض کریں کہ آپ نے تفسیر قرآن میں علم ہیئت و نجوم وغیرہ کی بھرمار کر دی ہے اور یہ طریقہ تفسیر درست نہیں ہے۔ جواباً اس مسکین عقل سے کہہ دو کہ اگر تم صرف قرآن ہی میں غور وفکر کرتے تو اپنے اس قول کا بطلان تم پر واضح ہو جاتا۔" (۱۰)

اس کے بعد آپ نے حسب عادت متعدد وجوہ سے اس قول کا بطلان ثابت کیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ کی رائے

امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں "النوع الخامس و الستون فی العلوم المستنبطہ من القرآن" (۶۵ویں نوع قرآن سے مستنبط ہونے والے علوم کے بیان میں) کے عنوان سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ امام غزالیؒ کی طرح آپ بھی قرآن میں غور وفکر کر کے علوم اولین و آخرین کے استنباط و استخراج کی دعوت دیتے ہیں امام سیوطیؒ نے مختلف احادیث اور اقوال صحابہ پیش کرنے کے بعد علامہ ابن ابی الفضل المرسی کی تفسیر سے ایک طویل اقتباس نقل فرمایا ہے۔ علامہ المرسی فرماتے ہیں۔

"قرآن میں علوم اولین و آخرین جمع کر دیئے گئے ہیں' یہاں تک کہ کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں قرآن نے اشارہ نہ فرمایا ہو۔"

پھر آپ نے ان علوم کا تذکرہ فرمایا ہے جو علماء نے قرآن سے مستنبط کیے ہیں

مثلاً علم قرأت، تفسیر، اصول، فقہ، تاریخ، قصص، مواعظ و حکم، الامثال، تعبیر، فرائض اور علم المواقیت وغیرہ۔ پھر فرماتے ہیں۔

”ان علوم کے علاوہ اور بھی بہت سے علوم قرآن میں ہیں مثلاً علم طب، علم جدل، علم ہیئت، علم ہندسہ، جبر و مقابلہ اور علم نجوم وغیرہ۔“

پھر ان آیات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن سے (ان کی تحقیق کے مطابق) ان علوم کا استخراج و استنباط ہوتا ہے۔

علامہ المرسی کے اس طویل اقتباس کے بعد امام سیوطی اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب ہر چیز پر مشتمل ہے اور جہاں تک انواع علوم کی بات ہے تو کسی علم کا کوئی باب اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کی طرف قرآن میں اشارہ نہ ہو۔ قرآن میں عجائب المخلوقات ہیں، ملکوت السموت والارض ہیں جو کچھ افق اعلیٰ اور تحت الثریٰ میں ہے وہ سب کچھ قرآن میں ہے۔

ان متقدمین کی مذکورہ بالا عبارات کو سائنسی تفسیر کے حامی اکثر اپنے حق میں پیش کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ سائنسی تفسیر کے حامی دو قسم کے ہیں، کچھ لوگ نہایت انتہا پسند اور متشدد واقع ہوئے ہیں، وہ اس طریقۂ تفسیر کو اس زمانے میں ”فرض عین“ قرار دیتے ہیں، وہ اس سلسلہ میں کسی شرط یا کسی حد کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں اور سائنسی تفسیر کے مخالفین کو قدامت پرست، کوتاہ نظر، جاہل اور احمق و سفیہ وغیرہ جیسے خطابات سے نوازتے ہیں۔

سائنسی تفسیر کے حامیوں کا دوسرا طبقہ ان علماء کا ہے جو اس طریقۂ تفسیر کے حامی ضرور ہیں مگر اس میں غلو، مبالغہ اور انتہا پسندی کو ناپسند کرتے ہیں۔ ان حضرات نے اس کے لیے کچھ شرائط اور حدود مقرر کی ہیں اور ان سے تجاوز کو جرأت رندانہ قرار دیتے ہیں۔

پہلے ہم غالی اور متشدد طبقہ کے دلائل و آراء کا جائزہ لیں گے۔

علامہ شیخ طنطاوی الجوہری کی رائے

شیخ طنطاوی (م ۱۹۴۰ء) اس جماعت کے روح رواں ہیں جو سائنسی تفسیر کو نہ صرف جائز بلکہ اس کے وجوب و فرضیت کا فتویٰ دیتی ہے۔ قرآن اور سائنس کے موضوع پر آپ نے ایک درجن سے زیادہ کتابوں کے علاوہ ۲۵ جلدوں میں قرآن کریم کی مکمل تفسیر بھی تصنیف فرمائی ہے ہماری معلومات کی حد تک یہ واحد سائنسی تفسیر ہے جو سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ ناس تک پورے قرآن کو محیط ہے اور بعد کے سائنسی مفسرین کافی حد تک اس تفسیر کے خوشہ چیں ہیں، کتاب کا نام ”الجواہر فی القرآن الکریم“ ہے۔ اس تفسیر میں علامہ موصوف نے بڑی محنت کی ہے اور قرآن کی ہر آیت سے (چاہے وہ کسی بھی موضوع پر ہو) زولوجی، گیلوجی، باٹنی، اسٹرانومی، میڈیکل سائنس، میتھ میٹکس، جغرافیہ اور ایگریکلچر سائنس جیسے صدہا علوم و فنون کا استخراج کر کے قرآن کا اعجاز ثابت کر دکھایا ہے۔ اس اجتہاد اور استخراج میں انہوں نے جو جانفشانی اور عرق ریزی کی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ اس کوشش میں انہیں جس تکلف، تاویل، تحکم اور کھینچ تان کا سہارا لینا پڑا ہے اس پر ہم کوئی تبصرہ کیے بغیر علامہ موصوف کے شاگرد رشید اور سائنسی مفسرین کی صف کے ایک بلند پایہ محقق ڈاکٹر حنفی احمد کی ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

”ہمارے استاذ محترم شیخ طنطاوی جوہری مرحوم نے اس (یعنی سائنسی تفسیر کے) سلسلہ میں بڑی کاوش کی ہے اور اپنی تفسیر میں بڑی تفصیلی بحث فرما کر مختلف علوم و فنون کو بیان کیا ہے جن کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے مگر انہوں نے بعض جگہ بلاضرورت کلام کو طویل کر دیا ہے اور آیات کے معانی کی حدود سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اپنے بیان کردہ معانی اور آیات کے درمیان تطبیق و جمع کی پرواہ بھی نہیں کی ہے اس سے علم منزل کی مقدار کم ہوگئی ہے۔“

ذیل میں ہم علامہ جوہری کی اس تفسیر کے بعض مقامات کا ترجمہ ہدیۂ قارئین

کرتے ہیں تاکہ علامہ جوہری کی فکر کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

''اے امت مسلمہ! علم میراث کے بارے میں صرف چند آیات ہیں جو علم ریاضی کا ایک چھوٹا سا شعبہ ہے تمہارا ان سات سو آیات کے بارے میں کیا خیال ہے جن میں دنیا بھر کے عجائب موجود ہیں' یہ سائنس کا زمانہ ہے یہ اسلام کے ظہور نور کا زمانہ ہے اور یہ ترقی کا زمانہ ہے تو کیوں نہ ہم ان سات سو آیات کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو ہمارے اسلاف نے چند آیات میراث کے ساتھ کیا ہے میں کہتا ہوں الحمد للہ تم اس تفسیر میں علوم کا خلاصہ اور نچوڑ پاؤ گے۔ ان علوم میں تحقیق علم میراث میں تحقیق سے زیادہ افضل و اہم ہے۔ کیونکہ علم میراث صرف فرض کفایہ ہے اور یہ علوم معرفت الٰہی میں زیادتی کا سبب ہیں۔ لہٰذا ہر قادر پر ان کی تحصیل اور تحقیق فرض عین ہے۔ جن علوم کو ہم نے تفسیر میں داخل کیا ہے یہ وہ علوم ہیں جن سے کوتاہ نظر مغرور اور جاہل فقہاء غافل رہے۔ اب یہ انقلاب کا زمانہ ہے اور حقائق کے ظہور کا زمانہ ہے۔

جس طرح علامہ جوہری نے علم میراث پر غصہ اتارا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر علم فقہ پر بھی اپنے مخصوص انداز میں تنقید فرما کر سائنسی تفسیر کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''آخر کیوں علماء اسلام نے علم فقہ پر دسیوں ہزار کتابیں لکھ ڈالیں جب کہ علم فقہ کے سلسلہ میں چند آیات ہیں جو سو پچاس آیتوں سے زیادہ نہیں ہیں پھر کیوں علم فقہ میں تالیف و تصنیف کی جائے اور کائنات کے اُن علوم سے منہ موڑ لیا جائے جن کے ذکر سے کوئی سورہ خالی نہیں ہے۔ سات سو پچاس آیات ایسی ہیں جن میں صراحتاً (یہاں لفظ صراحتاً بھی قابل توجہ ہے۔ اسید) ان علوم کا ذکر ہے ان کے علاوہ سینکڑوں آیات ایسی ہیں جن میں صراحتاً سہی لیکن اشارتاً ان علوم کا ذکر ہے تو کیا عقل و شرع اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ جس طرح علم کے متعلق صرف چند آیات ہیں ان میں تو مسلمان مہارت

حاصل کریں اور جن علوم کے سلسلہ میں کثرت سے آیات ہوں ان سے غافل رہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد اگر علم فقہ میں ماہر تھے تو اب ہم علوم کائنات میں مہارت حاصل کریں گے تاکہ اس کے ذریعہ ہم امت مرحومہ کو ترقی اور عروج سے ہمکنار کریں۔ کیا مسلمان نہیں دیکھتے کہ اب یہی علوم دراصل حقیقی علوم دینیہ ہیں اور یہی معرفت الٰہی کے علوم ہیں علم فقہ امت کی حفاظت کے لیے ہے اور یہ علوم اللہ کی معرفت اور امت کی حیات کے لئے ہیں اور ظاہر ہے کہ امت کی حفاظت' امت کی حیات سے زیادہ اہم نہیں ہے کیونکہ اگر سرے سے حیات ہی نہ رہی تو پھر حفاظت کس چیز کی جائے گی۔''

علامہ جوہری صاحب کے فرمودات کسی تبصرے سے بے نیاز ہیں۔ بس اتنا عرض کردیں کہ علامہ صاحب کی رائے کتنی ہی صائب کیوں نہ ہو مگر تنقید کا یہ انتہا پسندانہ انداز اور مخالفت و موافقت میں یہ غلو بہر حال کسی طرح بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ساتھ ہی اُن کے مخالف کو یہ کہنے کا حق بھی ہے کہ ہم امت کی حفاظت ہی اس لیے کر رہے ہیں کہ امت باحیات رہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حفاظت نہ کی گئی تو حیات سے ہی ہاتھ دھو بیٹھنے کا صد فی صد امکان ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن الکواکبی

علامہ کواکبی زمانے کے لحاظ سے علامہ جوہری سے مقدم ہیں مگر تشدد اور غلو کے اعتبار سے ان سے کم درجہ کے ہیں۔ آپ کی ایک کتاب ''طبائع الاستبداد و مصارع الاستعباد'' اسی موضوع پر ہے' یہ کتاب آج سے ساٹھ ستر سال قبل کی مطبوعہ ہے' اس میں علامہ موصوف نے سائنسی تفسیر کی بڑی شد و مد سے حمایت کرتے ہوئے قرآن کی متعدد آیات سے ہیئت و ہندسہ اور فلکیات و طب وغیرہ کے مسائل استخراج فرمائے ہیں۔ اس کتاب میں موصوف نے قرآنی آیات' احادیث اور امام غزالی و رازی وغیرہ کے اقوال (جن میں سے بعض ہم نے گذشتہ صفحات میں ذکر بھی کیے ہیں) سے اس طریقہ کا جواز ثابت کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

ان آخری صدیوں میں سائنس نے وہ علمی حقائق آشکارا کیے ہیں جن کی دریافت اور ایجاد کا سہرا علماء یورپ اور امریکہ کے سر ہے لیکن قرآن کو وسعتِ نظر سے پڑھنے والا ان سارے حقائق کو کہیں صراحتاً اور کہیں اشارتاً پائے گا کہ قرآن نے ان کو تیرہ صدیاں قبل ہی بیان کر دیا ہے۔ بعض حقائق اب تک پردۂ خفا میں ہیں تا کہ ایک زمانے میں ان کے انکشاف کے بعد قرآن کا معجزہ ثابت ہوا اور یہ شہادت دیں کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو عالم الغیب والشہادہ ہے اور جس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔''

آگے فرماتے ہیں۔

''یہ قرآن کے اعجاز کا مسئلہ ہے اور یہ دین کا اہم ترین مسئلہ ہے گذشتہ ادوار کے علماء اس پر قادر نہ تھے کہ اعجاز قرآنی کے اس اہم ترین مسئلہ کو کماحقہ اجاگر کریں۔ وہ صرف ان چند باتوں پر تکیہ کیے بیٹھے تھے جو بعض اسلاف نے کہی ہیں کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت ہی اس کا معجزہ ہے اور صرف یہی اس کا معجزہ ہے کہ اس نے قیصرِ روم کے بارے میں قبل از وقت خبر دی تھی کہ اہل روم شکست کے بعد عنقریب پھر غالب ہوں گے۔''

یہ علماء بعض کوتاہ نظر اسلاف کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں رکھتے چنانچہ یہ تکفیر و تضلیل پر آمادہ ہو گئے اور ہلاک ہو گئے۔

علامہ طاہر ابن عاشور

علامہ موصوف نے ''التحریر و التنویر'' کے نام سے قرآن کریم کی مبسوط تفسیر تصنیف فرمائی ہے جو ایک درجن سے زیادہ مجلدات پر مشتمل ہے پہلی جلد میں آپ نے علوم قرآن کے مختلف شعبوں پر دس وقیع مقدمات تحریر فرمائے ہیں' دسواں مقدمہ آپ نے ''اعجاز القرآن'' کے عنوان سے خاص کیا ہے۔ مقدمہ کی ابتداء میں آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ:

''آپ اس مقدمہ میں چند ایسے اصول اور نکات ملاحظہ فرمائیں گے جن سے اب تک اعجاز قرآن پر لکھنے والے علماء مثلاً باقلانی' الرومانی' عبدالقاہر الجرجانی' الخطابی'

قاضی عیاض اور سکاکی وغیرہ غافل رہے' لہٰذا اس مقدمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔''

اس مقدمہ کو بغور پڑھنے کے بعد اپنی ناقص فہم کے مطابق جو کچھ ہماری سمجھ میں آسکا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعجاز قرآن کی تین جہتیں ہیں' پہلی اور دوسری جہت تو علوم عربیہ اور فصاحت و بلاغت سے متعلق ہے جبکہ تیسری جہت کے متعلق علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

''قرآن کے اعجاز کی تیسری جہت وہ علوم ہیں جو اس کے معانی میں ودیعت کئے گئے ہیں اور حقائق علمیہ وعقلیہ کی طرف وہ اشارات ہیں کہ نزول قرآن کے زمانے میں عقل انسانی وہاں تک نہیں پہنچ سکی اور اس کے بعد بھی صدیوں تک فکرِ انسانی کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی۔ اب عصر حاضر میں وہ حقائق آشکارا ہوئے ہیں جس سے قرآن کا اعجاز ثابت ہوا ہے اور اعجاز قرآنی کی یہی وہ جہت ہے جس سے ابوبکر الباقلانی اور قاضی عیاض وغیرہ غافل رہے۔

''اس تیسری جہت سے قرآن پورے عالم انسانیت کے لئے معجزہ ہے اور یہ ایسا معجزہ ہے کہ زمانے کی رفتار کے ساتھ یہ بھی مستمر اور رواں ہے تا کہ غیر عرب اقوام اس کے ترجمہ و معانی کو دیکھیں اور اس کے احکام تشریعیہ' حکمیہ اور اخلاقیہ وغیرہ کو دیکھ کر اس کے اعجاز کا ادراک کر سکیں۔

ڈاکٹر حنفی احمد کی رائے

ڈاکٹر موصوف علامہ جوہری کے شاگرد ہیں' اپنے استاذ کی طرح انہوں نے بھی اس موضوع پر کافی لکھا ہے' ان کی گراں قدر تصنیف ''التفسیر العلمی للآیات الکونیہ'' اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

''یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس صدی کے اوائل میں سائنس اور علوم جدیدہ نے جو وسعت اور ترقی حاصل کی ہے اس کے باوجود سوائے چند حضرات کے اب تک لوگوں نے ان دقائق کی طرف توجہ نہیں کی جو قرآن نے حیات و کائنات کے بارے میں

بیان فرمائے ہیں:۔

اس کے بعد آپ نے اس عدم توجہ کے چند اسباب بیان کیے ہیں۔ ان کی رائے میں اس کا سب سے اہم سبب:

''مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے جو وراثتاً چلا آرہا ہے کہ قرآن صرف ہدایت و ارشاد کی ایک کتاب ہے حقائق کونیہ یا دقائق علمیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

''یہ بالکل وہی عقیدہ ہے جو قدیم یورپ میں چلا آرہا تھا کہ آسمانی کتب کائنات کے علم دقیق کی حامل نہیں ہوتیں بلکہ وہ صرف انسان کی ہدایت و فلاح کا سامان رکھتی ہیں اور یہ کہ علم و سائنس اور دین و مذہب دو متضاد چیزیں ہیں جو کبھی آپس میں جمع نہیں ہوسکتیں۔''

پھر انہوں نے بڑی تفصیل سے قرآن میں علوم کائنات کی موجودگی اور ان کے استخراج کے حق میں دلائل دیئے ہیں لکھتے ہیں کہ:

قرآن اپنے اسلوب بلاغت اور معانی کی بلندی اور جوامع الکلم میں معجزہ ہے' قرآن ان واقعات اور قصص کے اعتبار سے معجزہ ہے جو اس نے انبیاء سابقین (علیہم السلام) اور ان کی اقوام کے بارے میں بیان کیے ہیں جن کو اس زمانے میں سوائے اہل کتاب کے اور کوئی نہیں جانتا تھا' قرآن معجزہ ہے اپنے حکیمانہ احکام کے اعتبار سے جو ہر زمانے اور ہر مکان میں عین فطرت بشریٰ کے مطابق ہیں' اسی طرح وہ معجزہ ہے ان علوم وحقائق کے اعتبار سے جن کو اس نے نفس و آفاق کے بارے میں بیان کیا ہے' اس لئے کہ ان حقائق کو نہ تو کوئی اس کے نزول سے قبل جانتا تھا نہ ہی صدیوں بعد تک کوئی وہاں تک پہنچا' یہاں تک کہ علوم جدیدہ اور سائنس نے اپنے تجربہ اور مشاہدے کے ذریعے چند برس قبل ان کو اجاگر کیا ہے تو قرآن ان تمام جہتوں کے اعتبار سے معجزہ ہے اور اسی ہمہ جہت معجزہ نمائی کے باعث اس نے مخالفین اور منکرین کو اس جیسی کتاب لانے کا بارہا چیلنج کیا۔

اس کے بعد آپ نے وہ آیات تحریر کی ہیں جن میں جن و انس کو قرآن کے مقابلہ کا چیلنج کیا گیا ہے' پھر لکھتے ہیں۔

''جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن زمان و مکان کی قید سے ماوراء ہر ایک کے لئے نازل ہوا ہے' عرب والوں کے لئے بھی اور غیر عرب کے لئے بھی تو ظاہر ہے کہ غیر عربی کے لئے اس کے معجزہ کبریٰ یعنی معجزۂ اسلوب و بلاغت کا ادراک بہت دشوار ہے لہٰذا ان کے لئے وہ دیگر معجزات ہیں جو اس کے معانی میں پوشیدہ ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے غیر عرب کے لئے قرآن کے اعجاز کا ادراک ممکن ہو اور ان پر قرآن کے صدق دعویٰ کی حجت تام ہوجائے۔''

ڈاکٹر جمعہ علی عبدالقادر

فضیلت مآب ڈاکٹر جمعہ علی القادر جامعۃ الازہر کے شعبۂ تفسیر میں علوم قرآن کے استاذ ہیں راقم الحروف کو بھی آپ سے استفادے کا شرف حاصل ہے' تفسیر اور علوم قرآن میں بڑی گہری نظر رکھتے ہیں' اس موضوع پر دسیوں قیمتی کتابوں کے علاوہ بے شمار مقالات بھی تحریر فرمائے ہیں' اس وقت آپ کی ایک نہایت تحقیقی تصنیف **''جلال الفکر فی التفسیر الموضوعی لآیات من الذکر''** راقم کے پیش نظر ہے اس میں آپ نے سائنسی تفسیر پر تفصیلی بحث فرمائی ہے' جو تقریباً دس صفحات پر مشتمل ہے فرماتے ہیں۔

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن تشریع و معاملات کی کتاب ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ تأمل و عبادات کی کتاب ہے بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ وہ توحید و ایمان کی کتاب ہے' بعض کی نظر میں وہ بلاغت و ادب کی کتاب ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کتاب ''جمع فاوعیٰ'' ہے (یعنی جمع کر کے محفوظ کی ہوئی) تمہیں جس چیز کی جستجو ہو تم اس میں پاؤ گے کیونکہ اللہ کی جانب سے وہ ایک معجزہ ہے ان کے دیگر وجوہ اعجاز کے ساتھ ایک علمی اور سائنسی اعجاز بھی ہے جس نے مکابرین و منکرین کے منہ بند کر دیئے ہیں۔

''اعجاز قرآنی کے اس پہلو پر ہم تفصیلی گفتگو کریں گے کیونکہ یہ ایک نزاعی مسئلہ

بن کر رہ گیا ہے۔ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ قرآن ان اشیاء (یعنی سائنسی پہلو) کا متحمل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس کے لئے نازل ہی نہیں ہوا ہے' اس فکر کے ساتھ ان کے ذہن جمود و تعطل کا شکار ہو گئے' اگر یہ فکر درست تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ قرآن ہر زمانے اور مکان میں ہدایت و اعجاز کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اس جمودی فکر کے ساتھ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قرآن زمانے کی رفتار اور بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

میں کہتا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن زمان و مکان کی قید سے ماوراء ہر حال میں ہر چیز کی صلاحیت رکھتا ہے اب جو بھی چیز ہمارے سامنے نئی آئے گی ہم اس کو قرآنی معیار پر پرکھیں گے اگر اس کے موافق ہوگی تو وہ ہمارا عقیدہ بن جائے گی اور جو اس کے مخالف ہوگی وہ محض بے بنیاد ہوگی۔

آج کے ترقی یافتہ دور اور علوم کے ارتقاء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ آج علم و تحقیق کی بنیاد پر ثابت ہو رہا ہے ان سب کی طرف قرآن پہلے ہی متوجہ کر چکا ہے یا اس کی طرف اشارات کر چکا ہے۔

ایک صفحہ کے بعد لکھتے ہیں۔

''قرآن میں سینکڑوں آیات ہیں جو علم طبیعیات' فلکیات' علم نباتات و حیوانات' طب و صحت اور ایگریکلچر وغیرہ علوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ تو کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم ان آیات کے معانی عالم غیر عرب کے سامنے پیش کریں اور قرآن کے سائنسی اور علمی اعجاز کو اجاگر کریں کہ آج کا علم اور تحقیقات جو کچھ کہہ رہی ہیں قرآن وہ سب پہلے ہی بتا چکا ہے' کیا اعجاز قرآن کا یہ پہلو مغرب کے مادہ پرست ذہن کو متاثر کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں کہ اپنے ہی وضع کردہ سائنسی اصولوں سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کیا غیر عرب کے لئے یہ تبلیغ اور دعوت اسلام کا بہترین طریقہ نہیں ہے؟'' یہ تھیں سائنسی تفسیر کے بعض پرجوش حامیوں کی آراء اور ان کے دلائل۔ ان دلائل

میں سے نہ سب سے اتفاق کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تمام باتوں سے اختلاف۔ ہمیں ان کی بعض باتیں قبول ہیں اور بعض میں تامل ہے۔

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر کے حامیوں کی آراء' اور ان کے دلائل ہم نے بغیر کسی تبصرے کے گذشتہ صفحات میں نقل کئے' ان سے قرآن کریم کی سائنسی تفسیر کے جواز اور عصر حاضر میں اس کی ضرورت و اہمیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ ان دلائل کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام دلائل کی عمارت ان دو بنیادی مقدمات پر قائم ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں تمام علوم اولین و آخرین جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کی جدید سائنسی نظریات سے مطابقت قرآن کریم کے اعجاز کا ایک پہلو ہے' اور اس راستہ سے سائنس پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرنے والوں کے درمیان قرآن کی حقانیت ثابت کرنا آسان ہے اور جدید اذہان کو اسلام کی دعوت دینے کا یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

پہلے مقدمہ کو ثابت کرنے کے لئے ان حضرات نے تین طرح کے دلائل پیش کیے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم کی بعض آیات

۲۔ بعض آثار صحابہ

۳۔ متقدمین علماء کی آراء

جب کہ دوسرے مقدمہ کے ثبوت میں ان حضرات نے قرآن کریم کے اعجاز کی بحث چھیڑی ہے اور ساتھ ہی سائنسی علوم کی ترقی اور روز افزوں اس کے ترقی پذیر ہونے کی بات کی ہے۔ ان تمام دلائل اور ان کے مقدمات کا تحقیقی اور تنقیدی تجزیہ اپنے مقام پر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

ہم نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اس طریقہ تفسیر کے حامی دو قسم کے ہیں ایک

طبقہ متشددین کا ہے جبکہ ایک طبقۂ علماء ایسا بھی ہے جو اس طریقۂ تفسیر کا حامی ضرور ہے مگر اس میں غلو' مبالغہ اور انتہا پسندی کو نظر استحسان سے نہیں دیکھتا' اس طریقۂ تفسیر کے جواز کے لئے ان حضرات نے کچھ حدود اور شرائط مقرر کی ہیں' اس طبقہ سے ہم صرف ایک صاحب نظر عالم کی رائے نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

امام متولی الشعراوی

عالم ربانی امام متولی الشعراوی اس آخری دور میں ایک مغتنم ہستی اور اسلاف کرام کی یادگار تھے۔ عالم دین اور عارف باللہ ہونے کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ پر بھی آپ کی نظر تھی' تحقیق کی گہرائی اور رائے کی پختگی کے ساتھ اعتدال پسندی آپ کا خاص وصف تھا' پچاس سے زیادہ کتب کے مصنف ہیں جن میں ایک مبسوط تفسیر قرآن بھی ہے۔ اس وقت آپ کی ایک معرکتہ الآراء کتاب ''معجزۃ القرآن'' ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کتاب کے بعض اہم مقامات کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

''قرآن کریم میں وسعتِ تجدد ہے اور یہی وسعت تجدد اعجاز قرآن کو مستمر اور مسلسل قائم رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ قرآن اور اس کے معانی میں یہ وسعت تجدید نہیں ہے اور اس کا سارا اعجاز ایک زمانے یا کسی ایک صدی میں ظاہر ہوگیا تو لازم آئے گا کہ آخری کی صدیوں میں قرآن بغیر معجزہ کے رہ گیا۔ یہ بات قرآن میں جمود وتعطل کے مترادف ہے۔ جبکہ قرآن کسی زمانے میں جامد اور تعطل پذیر نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ وہ ہر آئندہ نسل اور ہر آنے والے فرد بشر کو بقدر طاقت وفہم اپنے اعجاز کا ثبوت فراہم کرے گا' اس طرح کہ وہ حقائق جو گزشتہ نسلوں پر منکشف نہ ہوئے اور زمانے کی رفتار نے خود ان کو منکشف کیا آئندہ نسلیں ان حقائق کو پہلے سے قرآن میں موجود پائیں گی' ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صرف اسی قدر تفسیر بیان فرمائی جو اس زمانے میں دین کے احکام کے لئے ضروری تھی۔ وہ حقائق اور دقائق علمیہ جو اللہ تعالیٰ

مستقبل میں انسانی عقل اور علم کے ذریعہ روشن فرمانے والا تھا ان کو آپ نے بیان نہیں فرمایا' کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت عقل انسانی ان حقائق کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا آپ نے صرف وہ معانی بیان فرمائے جو ان کی فکری سطح کے مطابق اور ان کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔

پھر زمانہ گزرتا گیا اور انسانی علم وفکر ارتقاء کی منزلیں طے کرتی گئی یہاں تک کہ انسانی خود اپنی عقل وفکر کے ذریعہ ان حقائق تک پہنچ گیا' اب قرآن کی وسعت تجدد نے ان سارے حقائق کو اپنے اندر سمولیا۔''

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

''قرآن کریم کسی بھی حال میں قوانین فطرت اور حقائق کونیہ سے متصادم نہیں ہو سکتا' اگر کہیں یہ تصادم پایا جاتا ہے تو یا تو قرآن کا صحیح معنی سمجھنے میں غلطی کی گئی ہے یا پھر جس کو ہم حقیقت واقعیہ ثابتہ سمجھ رہے ہیں درحقیقت وہ حقیقت ثانیہ ہے ہی نہیں۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ کے علم قدیم ومحیط میں یہ بات تھی کہ نزول قرآن کے چند صدیوں بعد کچھ لوگ یہ دعویٰ کریں گے کہ ایمان کا دور ختم ہوگیا اب سائنس کا دور شروع ہوا ہے۔ اس لئے عالم الغیب نے کچھ ایسی چیزیں قرآن میں پوشیدہ فرما دیں جو اس قسم کا دعویٰ کرنے والوں کے سامنے قرآن کا اعجاز ثابت کرسکیں۔''

سائنسی تفسیر کا جواز فراہم کرنے کے بعد امام موصوف یہ تنبیہ بھی فرماتے ہیں۔

''اس وسعت تجدد کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ ہم قرآن پر وہ معانی مسلط کردیں جن کی آیات قرآنیہ متحمل نہ ہوں' یا ان آیات کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں کہ گویا یہ انہیں علوم وفنون کے بیان کے لیے نازل ہوئی ہیں' یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ وہ علم ہندسہ' علم فلک یا علم فضاء کے رموز واسرار بیان کرے' قرآن نے ابتداء ہی میں اپنے مقصد نزول کو ان الفاظ میں واضح کردیا ہے۔ ھــدی

اللمتقین یعنی یہ کتاب ہدایت ہے۔"

مخالفین کی آراء

جہاں اس طریقۂ تفسیر کے متشدد حامی ہیں وہیں کچھ اہل علم اس کے شدید مخالف بھی ہیں' مخالف علماء کی رائے میں اس طریقہ سے قرآن کی تفسیر کرنا قرآن مقدس کے ساتھ کھلواڑ کرنا ہے۔ جس طرح اس طریقۂ تفسیر کے حامی بعض متقدمین کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اسی طرح اس کے مانعین بھی اپنے موقف کی حمایت میں بعض متقدمین علماء کی رائے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں' اگر مجوزین نے امام غزالی اور حافظ سیوطی کو پیش کیا تو مانعین اپنی تائید میں امام ابو اسحاق شاطبی (م ۷۹۰ھ) کو پیش کرتے ہیں' امام شاطبی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "الموافقات فی اصول الاحکام" میں ان لوگوں پر شدید تنقید کی ہے جنہوں نے قرآن کریم سے علوم اولین و آخرین کے استخراج کا دعویٰ کیا ہے۔

امام ابواسحاق شاطبی کی رائے

امام شاطبی نے "مقاصد شرع" پر بحث کے ضمن میں ان علوم کا تذکرہ کیا ہے جن سے عصرِ نزول قرآن میں اہل عرب واقف تھے' پھر ان کی دو قسمیں کی ہیں فائدہ مند' اور نقصان دہ' فرماتے ہیں کہ شریعتِ اسلام نے نافع کو برقرار رکھا اور نقصان دہ کو ممنوع قرار دے دیا' اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"بہت سے لوگوں نے علوم قرآن کے سلسلہ میں حد سے تجاوز کیا ہے' اور متقدمین و متاخرین کے تمام علوم مثلاً طبیعات' علم التعلیم' علم الہندسہ' ریاضیات' منطق اور علم الحروف وغیرہ کو علوم قرآن میں شامل کر لیا ہے' ہم نے جو کچھ پیچھے کہا ہے اس کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔"

اس کے بعد دلیل کے طور پر فرماتے ہیں۔

"سلف صالحین (صحابہ و تابعین) قرآن اس کے علوم اور جو کچھ اس میں ودیعت کیا گیا ہے اس سب کے

ان میں سے کسی نے ان علوم میں کچھ کلام کیا ہو' انہوں نے صرف احکام تکلیفیہ اور احکام آخرت وغیرہ پر ہی کلام کیا ہے' اگر ان حضرات نے ان علوم پر کچھ کلام کیا ہوتا تو وہ ضرور ہم تک پہنچتا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات ان کے قائل نہیں تھے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ علوم (یعنی طبیعات' ریاضی اور منطق وغیرہ) جن کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ قرآن کے مقصد میں شامل نہیں ہیں' البتہ قرآن کریم میں عربوں کے بعض علوم سے تعرض کیا گیا ہے۔"

جن لوگوں نے قرآن کریم میں علوم اولین و آخرین کی موجودگی کا دعویٰ کیا ہے ان کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے امام شاطبی فرماتے ہیں۔

"یہ لوگ ان آیات سے استدلال کرتے ہیں:

ونزلنا علیك الکتاب تبیاناً لکل شیء

اور آیت کریمہ:

مافرطنا فی الکتاب من شیء

اور یہ لوگ فواتح السور اور جو کچھ اس بارے میں نقل کیا گیا ہے اس کو بھی دلیل میں لاتے ہیں' اور اس سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض اقوال بھی پیش کیے جاتے ہیں' مگر یہ جملہ دلائل محل نظر ہیں' جن آیات کو پیش کیا گیا ہے ان میں مفسرین کے نزدیک تبیاناً لکل شیء سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق شرعی احکام و عبادات سے ہے اور دوسری آیت میں "الکتاب" سے قرآن نہیں بلکہ لوح محفوظ مراد ہے' حالانکہ لوح محفوظ کے بارے میں بھی ہی نہیں کہا گیا کہ وہ تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ کو سموئے ہوئے ہے' جہاں تک سورتوں کے ابتدائی حروف کا تعلق ہے تو بعض اصحاب سیر نے ذکر کیا ہے کہ عرب ان سے اسی طرح آگاہ تھے جیسے جمل کے عدد سے جس کا علم انہوں نے اہل کتاب سے حاصل کیا تھا' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ان متشابہات سے ہوں' جن کی تفسیر اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا' رہی یہ بات کہ ان حروف سے دیگر علوم مراد لیے جائیں' تو متقدمین میں

سے کسی نے بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا' لہٰذا ان حروف میں ان حضرات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے اور حضرت علی یا دیگر صحابہ سے اس سلسلہ میں جو کچھ نقل کیا جاتا ہے وہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔''

اور آخر میں امام شاطبی اپنا حتمی موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان علوم کو قرآن میں داخل کردیں جو اس کے مقتضاء کے خلاف ہیں بالکل اسی طرح جیسے یہ بات درست نہیں ہے کہ ہم ان علوم سے غفلت برتیں جو قرآن کے مقتضاء کے عین مطابق ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ امام شاطبی کی رائے اور ان کے دلائل پر علامہ طاہر ابن عاشور (جن کی رائے اختصار کے ساتھ ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کی تھی) نے اپنی تفسیر ''التحریر والتنویر'' کے مقدمہ میں بھرپور تنقیدی نظر ڈالی ہے اور امام شاطبی کے ان دلائل کا جواب دیا ہے۔

اب ذیل میں ہم ان حضرات میں سے چند نمائندہ اہل علم کی آراء اور ان کے دلائل پر ایک تفصیلی نظر ڈالیں گے۔ جو اس طریقہ تفسیر کی مخالفت کرتے ہیں' گزشتہ صفحات کی طرح یہاں بھی ہم صرف ان حضرات کی آراء نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے اور ان پر اپنا تبصرہ آئندہ صفحات کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔

شیخ محمود شلوت سابق شیخ الازھر

آپ نے قرآن کی ایک مبسوط تفسیر تحریر فرمائی ہے' اس تفسیر کے مقدمہ میں آپ نے سائنسی طریقہ تفسیر سے اختلاف رائے کیا ہے' فرماتے ہیں۔

''ایک طائفہ نے جو دانشوروں کا طائفہ کہلاتا ہے علوم عصریہ سے استفادہ کیا اور سائنس' فلسفہ اور میڈیکل سائنس وغیرہ کے نظریات سے متاثر ہو کر اس کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنا شروع کر دی' ان حضرات نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دیکھا۔

اور اپنے حسب منشاء اس کی تاویل کر کے تفسیر قرآن کے میدان میں ایک نیا

دروازہ کھول دیا اور علوم جدیدہ کی اساس پر قرآن کی تفسیر کرنے لگے اور یہ گمان کیا کہ اس طرح وہ قرآن کی خدمت کر رہے ہیں اور اسلام کے پرچم کو بلند کر رہے ہیں۔''

اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

''تفسیر قرآن کے سلسلہ میں یہ نقطۂ نظر بلاشبہ خطاء پر مبنی ہے اس لیے کہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ وہ سائنسی نظریات اور دقائق کونیہ پر گفتگو کرے یہ نظریہ اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ اس کے حامی قرآن کے معانی کی تاویل میں اس تکلف اور تعسف (کھینچ تان) سے کام لیتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ ذوق سلیم پر بار ہے بلکہ اعجاز قرآنی کے منافی بھی ہے۔

اس نظریہ کے بطلان کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح قرآن کو ایک دوڑ میں شامل کر دیا گیا ہے' سائنسی نظریات میں ثبات وقرار نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی رائے حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے' سائنس میں آج ایک نظریہ درست ہوتا ہے تو کل وہ خرافات میں شامل کر دیا جاتا ہے اگر قرآن کو ہم سائنسی نظریات پر منطبق کرنا شروع کر دیں تو سائنس کی رفتار کے ساتھ ہمیں قرآن میں تقلب وتبدل یا کم از کم تکلف وتحکم کا دروازہ کھلا رکھنا پڑے گا۔ ایسی کسی بھی صورت حال میں قرآن کا دفاع ایک انتہائی مشکل امر ہوگا لہٰذا ہمیں چاہیے کہ قرآن کی عظمت وجلالت کا احترام کریں اور اس کے تقدس کی حفاظت کریں' اب رہیں وہ آیات جن میں اسرار خلق یا طبائع کونیہ کی طرف اشارات ہیں تو دراصل ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان اسرار وحقائق میں غور وفکر کرے تاکہ اس کے ایمان باللہ میں اضافہ ہو' ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ نہ تو قرآن کبھی کسی حقیقت علمیہ واقعیہ سے متصادم ہوا ہے اور نہ قیامت تک ہوگا۔''

شیخ موصوف سائنسی تفسیر کی چند مثالیں دے کر ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اگر علم وتحقیق کا یہی حال رہا تو کوئی بعید نہیں کہ ہمارے ان عالی مرتبت

مفسرین میں سے کوئی صاحب یہ دعویٰ بھی کر دیں کہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء قرآن کی فلاں فلاں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ڈارون نے یہ نظریہ اب آخری دور میں پیش کیا ہے جبکہ قرآن اس کو سینکڑوں سال قبل بیان کر چکا ہے۔"

یہاں اس بات کی طرف اشارہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شیخ موصوف نے یہ بات محض اپنی دلیل میں وزن پیدا کرنے کے لئے لکھی ہوگی ورنہ شاید ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہو کہ واقعی چند سال بعد ایک محقق یہ کارنامہ انجام دے دیں گے' مصر کے ڈاکٹر صلاح الدین ابوالعینین نے ایک کتاب "حکایۃ البشر علمیا" کے عنوان سے تصنیف کی جو مکتبہ شمس الفکر القاہرہ سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی' اس کتاب میں ڈاکٹر موصوف نے ڈارون کے "نظریہ ارتقاء" پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے اس باطل نظریہ کو قرآن کریم کی بعض آیات کے عین مطابق ثابت کرنے کی طفلانہ کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر حسنی حمدان الدسوقی نے اپنی کتاب "الاعجاز" میں ڈاکٹر ابوالعینین کے اس خلاف اسلام نظریہ کا تحقیقی رد کیا ہے۔

شیخ شلتوت اس بحث کے اختتام پر فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ چاند کا کیا معاملہ ہے کبھی غائب ہو جاتا ہے کبھی باریک ہوتا ہے کبھی پورا گول ہو جاتا ہے یعنی ایک حال پر نہیں رہتا' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق (کہ یہ کیوں کر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں' لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔"

اسی طرح لوگوں نے روح کے متعلق سوال کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق (انہیں) بتایئے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا"

کیا یہ آیات واضح طور پر دلالت نہیں کر رہی ہیں کہ قرآن ایسی کتاب نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ حقائق کونیہ اور دقائق علمیہ کی شرح فرمانا چاہتا ہے دراصل قرآن کتاب

ہدایت ہے' کتاب اصلاح ہے اور کتاب تشریع و احکام ہے۔"

علامہ عبدالعظیم الزرقانی

علامہ موصوف ازہر کے شعبہ تفسیر میں علوم قرآن کے پروفیسر تھے۔ آپ نے "مناہل العرفان فی علوم القرآن" کے نام سے دو جلدوں میں بڑی معرکتہ الآراء کتاب تصنیف فرمائی ہے اس میں "موقف القرآن من العلوم الکونیۃ" کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کر کے سائنسی تفسیر کے عدم جواز پر آپ نے دلائل دیئے ہیں' فرماتے ہیں۔

"قرآن نے اِن علوم کونیہ کو اپنا بنیادی موضوع نہیں قرار دیا ہے یہ اس لئے کہ یہ علوم قانونِ ارتقاء کے آگے مجبور ہیں کہ ان میں بھی ارتقاء ہو دوسرے یہ کہ ان علوم کی دقیق تفاصیل عام فہم انسانی سے بلند ہیں اور تیسرے یہ کہ قرآن کے اصل مقصود کے مقابلہ میں یہ علوم اتنے اہم نہیں ہیں کیونکہ قرآن کا اصل مقصد انسانیت کی فلاح اور دنیوی و اخروی سعادتوں کی طرف انسان کی ہدایت و راہنمائی ہے۔"

قرآن کتاب ہدایت و اعجاز ہے لہٰذا یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہم ہدایت و اعجاز کی حدود سے تجاوز کریں' اگر کہیں قرآن نے حقائق کونیہ کا ذکر بھی کیا ہے تو وہ بھی دراصل ہدایت کے لئے ہے اور یہ "دلالۃ الخلق علی الخالق" کی قبیل سے ہے' حقائق کونیہ کا ذکر اسلئے نہیں ہے کہ قرآن ہیئت و فلکیات اور طبیعات و کیمسٹری کے حقائق علمیہ کی شرح کرے' نہ اس لئے ہے کہ اس سے حساب' جبر و مقابلہ اور علم ہندسہ کا کوئی مسئلہ حل کیا جائے۔ نہ یہ مقصد ہے کہ علم طب میں ایک نئے باب اور تشریح الاعضاء میں ایک نئی فصل کا اضافہ کیا جائے اور نہ یہ مقصد ہے کہ وہ علم حیوانات' نباتات یا طبقات الارض کے مسائل پر گفتگو کرے۔ لیکن بعض محققین جن کو علوم قرآن اور اس کے معارف میں وسعت دینے کا شوق پیدا ہوا انہوں نے قرآن کو علوم کونیہ و عصریہ کے تناظر میں دیکھنا شروع کر دیا انکہ وہ اس عمل میں سراسر غلطی پر ہیں اور حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اگر چہ اس سلسلہ ن کی نیت اچھی اور جذبہ صادق ہے مگر نیت کی صحت اور جذبہ کی صداقت اس بات

جواز نہیں بن سکتے کہ آدمی خلافِ واقعہ بات بیان کرے اور اللہ کی کتاب پر ایسے معانی مسلط کر دے جو اس کے مقصدِ نزول سے میل نہ کھاتے ہوں بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب قرآن نے خود متعدد مقامات پر اپنے مقصد نزول کا ببانگ دہل اعلان کیا ہو۔"

اس کے بعد آپ نے وہ آیات نقل فرمائی ہیں جن میں قرآن کا مقصد نزول اور اس کا منصب ہدایت وارشاد بیان کیا گیا ہے۔ کچھ آگے چل کر ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

"جو تحقیقات کل کے علماء ہیئت وفلکیات نے کی تھیں آج کے علماء نے ان سب کو باطل قرار دے دیا' کل علم طبیعات کے ماہرین نے جو کچھ کہا تھا آج کے علماء اس کے مخالف نظریات پر قائم ہیں' کل جو بات مؤرخین عالم نے ثابت کی تھی آج کے مؤرخین اس کی نفی کرتے ہیں' کل کے مادہ پرستوں نے علم وعقل کے سہارے جن جن باتوں کا انکار کیا تھا آج کے مادہ پرست اُسی علم وعقل کے دعویٰ کے ساتھ ان سب کو تسلیم کر رہے ہیں اس سب کے بعد کیا یہ کسی طرح مناسب ہے کہ ہم ان علوم کے سلسلہ میں خود کو دھوکے میں رکھتے ہوئے کسی خوش فہمی کا شکار رہیں۔

عباس العقاد کی رائے

عربی کے صاحب طرز شاعر' علوم اسلامیہ اور تاریخ کے ماہر' بلند پایہ مفکر وادیب عباس محمود العقاد کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں' وہ اپنی روشن خیالی یا بالفاظ دیگر آزاد خیالی کے باعث اکثر علماء کا ہدف تنقید بنتے رہے ان کی بعض آراء سے ذاتی طور پر ہمیں بھی اتفاق نہیں مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اپنی تمام تر روشن خیالی اور تجدد پسندی کے باوجود اس طریقۂ تفسیر کے مخالف ہیں۔

ان کی کتاب "الفلسفۃ القرآنیہ" ہمارے پیش نظر ہے' اس کے چند ضروری اقتباسات ہدیۂ قارئین ہیں' لکھتے ہیں۔

"انسانی علوم کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جارہا ہے جو ناقص تھا وہ کامل' جو گنجلک

تھا وہ واضح اور جو منتشر تھا وہ مرتب ہو رہا ہے' خطاء صواب کی حدود میں داخل ہو رہی ہے اور تخمین وشک یقین میں تبدیل ہو رہے ہیں' سائنسی قواعد تسلیم کے بعد انکار اور ثبوت کے بعد بطلان سے ہمکنار ہو رہے ہیں جو حقائق حرفِ آخر سمجھے گئے تھے ان میں نئے سر سے تجربات اور تحقیقات کا آغاز ہو رہا ہے۔"

اس تمہید کے بعد لکھتے ہیں۔

"جب بھی کسی نسل کے سامنے کوئی نئی سائنسی تحقیق آئے تو کتاب عقیدہ سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ وہ اس تحقیق سے مطابقت رکھے نہ اس کتاب کے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم ان علوم وتحقیقات کا اپنی کتاب سے استخراج کر کے دکھاؤ کیونکہ کتاب عقیدہ کا یہ منصب ہی نہیں ہے۔

اس کے بعد انہوں نے بعض آیات کی سائنسی تفسیروں کی چند مثالیں دی ہیں اور ان میں غلطی کی نشاندہی کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جن معانی کو ان آیات پر منطبق کیا گیا ہے وہ محض زبردستی ہے حالانکہ معانی آیات اور ان تحقیقاتِ جدیدہ کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔

"درحقیقت یہ حضرات اسلام کے نادان دوست ہیں اور محبت کے دھوکے میں عداوت کر رہے ہیں اور نادانستگی میں اپنی خطاء کو اسلام کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔ قرآن کے سلسلہ میں اس قسم کے دعویٰ تطبیق کی ہمیں ہرگز حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ ایک کتاب عقیدہ ہے جو ضمیر کو مخاطب کرتی ہے' ایک کتاب عقیدہ سے جو بہترین مطالبہ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ علم وحکمت میں غور وفکر کی دعوت دے اور اس کا کوئی حکم ایسا نہ ہو جو تفکر وتعقل کی ممانعت اور علم میں زیادتی کی مخالفت کرے اور ان سب باتوں کی ضمانت ایک مسلمان کے لئے اس کی کتاب میں موجود ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لئے معرفت کے دروازے کھولے ہیں اور ان کو حصول علم اور اس میں ترقی پر ابھارا ہے اور زمانے کی رفتار کے ساتھ علوم کی ایجادات کو قبول کرنے کی

دعوت دی ہے۔ نیز ذرائع تعلیم اور وسائل تحقیق و انکشاف کے تجدد پر بھی کوئی قدغن نہیں لگائی۔

علامہ محمد حسین ذہبی کی رائے

اُستاذ الاساتذہ علامہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی تفسیر اور علوم قرآن کے متخصص تھے اور جامعہ ازھر میں علوم قرآن کے پروفیسر تھے۔ آپ نے ''التفسیر والمفسرون'' کے عنوان سے اصولِ تفسیر اور تاریخِ تفسیر پر بڑی معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی ہے' یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ نے سائنسی تفسیر پر محققانہ بحث کی ہے' پہلے آپ نے امام غزالی اور امام شاطبی سمیت فریقین کے دلائل نقل کیے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔

''میرے نزدیک امام شاطبی کی رائے درست ہے کیونکہ ان کے دلائل دوسرے فریق کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں۔''

پھر آگے لکھتے ہیں۔

''اس طریقہ تفسیر کے علم برداران آیات سے سند لاتے ہیں جن میں کائنات کی بعض حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے یا وہ آیتیں جو انفس و آفاق کے مطالعہ کی دعوت دیتی ہیں' ان آیات سے استناد کرتے ہوئے وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں علوم اولین و آخرین جمع کر دیئے گئے ہیں' درحقیقت یہ حضرات ان آیات کے معانی سمجھنے میں فہم خاطی کا شکار ہیں' اس لئے کہ جن آیات میں ملکوت السماوات والارض یا مطالعۂ انفس و آفاق کی طرف دعوتِ فکر دی گئی ہے ان کا مقصد صرف نصیحت' موعظت اور عبرت ہے تاکہ لوگ اللہ کی نشانیوں میں غور وفکر کریں اور اللہ کی قدرت و وحدانیت پر ایمان لائیں یہ مقصد نہیں ہے کہ علوم کونیہ اور علم سائنس کے سارے قوانین وضوابط اور نظریات اور دقائق ان آیات میں تلاش کیے جائیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کتاب طب و ہندسہ نہیں ہے۔ بلکہ کتاب ہدایت ہے۔ یہ حضرات اچھی طرح سمجھ لیں کہ قرآن اس قسم کے تکلف سے بے نیاز ہے جو اس کے اصل مقاصد یعنی اصلاح حیات' ریاضۃ النفس اور رجوع الی اللہ ہی سے قرآن کو خارج

کر دیتا ہے۔ یہ حضرات یہ بھی جان لیں کہ ان کے اور ان کی کتاب کے حق میں یہی بہتر ہے کہ زمانے کی رفتار کا ساتھ دینے اور اعجاز قرآنی کے اظہار کے شوق میں اپنی تفسیروں کے ذریعہ قرآن کو بازیچہ اطفال نہ بنائیں قرآن کی فضیلت کے حق میں اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی کوئی نص صریح کسی بھی حقیقت ثابتہ صحیحہ سے متصادم نہیں ہے۔''

سائنسی تفسیر کے مخالف علماء کی آراء اور ان کے دلائل ہم نے بلا تبصرہ نقل کیے' حامی علماء کی طرح مخالف علماء کی بھی نہ ہر بات سے اتفاق کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہمیں ان سے صد فی صد اختلاف ہے' ان کی بعض باتیں قابل قبول ہیں اور کچھ میں ہمیں تامل ہے اب ہم دونوں فریقوں کے دلائل کا تنقیدی جائزہ لے کر کسی حتمی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

سائنسی تفسیر کے حامی اور مخالف علماء کے نظریات اور دلائل آپ نے ملاحظہ کیے۔ اب ہم ان دونوں فریق کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے اس طریقۂ تفسیر کے جواز وعدم جواز پر اپنی ناقص رائے کا اظہار کریں گے۔

۱۔ یہ بات درست ہے کہ اعجاز قرآنی مستمر اور مسلسل ہے نہ کسی زمانے میں قرآن اعجاز سے خالی ہوا نہ قیامت تک ہوگا' چونکہ وہ ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ہے اس لئے اس کا اعجاز بھی ہر زمانے کے لئے ہے' فرق اتنا ہے کہ ہر زمانے کے لحاظ سے اس کے ظہورِ اعجاز کی شان مختلف ہوسکتی ہے۔ اس کی ہزاروں شانوں میں سے ایک شان کا اظہار سائنسی اعجاز کو بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے لہٰذا مطلقاً سائنسی اعجاز کو خارج از امکان قرار دینا اور قرآن کے اعجاز کو صرف بلاغی یا لسانی اعجاز میں منحصر کر دینا درست نہیں ہے بالکل اسی طرح جیسے اعجاز قرآنی کو صرف سائنسی اعجاز پر موقوف مان کر دیگر مظاہرِ اعجاز کو مسترد کر دینا۔

۲۔ یہ درست ہے کہ نص قرآنی کو ''حمالہ'' کہا گیا ہے۔ یعنی یہ ایک سے زیادہ معانی کی متحمل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ایک ہی نص سے بیک وقت ایک سے زیادہ معانی کا استخراج

کیا جاسکتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان پر کوئی قرینہ قائم ہو اور یہ مختلف معانی آپس میں متناقض و متضاد نہ ہوں بلکہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہو' یعنی ان معانی میں اختلاف تضاد نہ ہو بلکہ اختلاف تنوع ہو' لہٰذا اگر کسی آیت کے چند احتمالی معانی میں سے کوئی معنی بلاتکلف وتحکم کسی جدید ایجاد یا تحقیق کے مطابق ہو تو اس احتمال کو بالکلیہ رد کر دینا اتنا ہی غلط ہے جتنا کہ باقی احتمالی معانی کو مسترد کر کے صرف مطابقت والے معنیٰ پر اصرار کرنا۔

۳۔ سائنسی تفسیر کے مخالفین کی اس بات سے ہمیں اتفاق ہے کہ قرآن کریم کتاب ہدایت ہے سائنس کی کتاب نہیں ہے' اور جن جن مقامات پر قرآن نے انفس و آفاق یا حیات و کائنات کے مطالعہ کی دعوت دی ہے ان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان آیات میں تأمل وفکر کر کے فزکس' کیمسٹری اور اسٹرانومی یا باٹنی کے مسائل کا استخراج کیا جائے بلکہ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان انفس و آفاق میں غور وفکر کیا جائے اور اس عالم رنگ و بو میں تدبر وتفکر کر کے اس خالق و صانع کی قدرت و ربوبیت پر ایمان لایا جائے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اگر کوئی حقیقت علمیہ اور نظریہ کونیہ بلاتکلف وتحکم اور بغیر کھینچ تان کے کسی آیتِ کریمہ پر منطبق ہو تو بلاوجہ اس سے بھی منہ موڑ لیا جائے۔

۴۔ مخالفین کی یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن اس سے بے نیاز ہے کہ اس کی صداقت وصحت پر علوم جدیدہ سے سند اور دلیل لائی جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر یہ نہ کیا جائے تو آخر "خوگرِ پیکرِ محسوس" اور دلیل و مشاہدہ کے عادی عقلیت پسند اور مادہ پرست انسان کو کیونکر قرآن کی صداقت کا قائل کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آج یورپ اور امریکا میں جو لوگ تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں ان میں اگرچہ ایسے ذی علم بھی ہیں جو اس قسم کی تطبیق و مطابقت کو دیکھ کر ایمان لائے ہیں مگر اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کو قرآن اور سائنس کی مطابقت نے نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات نے متاثر کیا ہے۔ انسانی حقوق کا احترام' تصور مساوات' نظریۂ رحمت و رافت' روحانی اور اخلاقی پہلو اور اعلیٰ انسانی اقدار کی طرف دعوت' یہ قرآن کے بعض وہ اوصاف ہیں جو لوگوں کے ذہنوں کو اپیل

کرتے ہیں۔ یہ بات محض خوش اعتقادی پر مبنی نہیں ہے بلکہ دیل میں ڈاکٹر احمد الرسی کی ترتیب کردہ کتاب:

لماذا أنا مسلم
یعنی میں مسلمان کیوں ہوں؟

پیش کی جاسکتی ہے جو قاہرہ سے طبع ہوئی ہے' اس میں یورپ اور امریکہ کے مختلف شہروں کے سو(۱۰۰) ایسے افراد کا انٹرویو ہے جو گذشتہ ۱۰۔۱۵ برسوں میں ایمان لائے ہیں' یہ سب لوگ ذی علم اور پڑھے لکھے ہیں' کتاب پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صرف ۱۹ لوگ ایسے ہیں جو قرآن اور سائنس کی حیرت انگیز تطبیق دیکھ کر متاثر ہوئے' باقی سب لوگوں کو قرآن کی انہیں تعلیمات نے متاثر کیا ہے جن کا ہم نے ماقبل میں ذکر کیا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ آج اگر قرآن و سائنس کی تطبیق نہ دکھائی جائے تو لوگ کیونکر متاثر ہونگے محض ایک مفروضہ اور واہمہ ہے۔ ہاں اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس قسم کی مطابقت سے اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مدد ضرور لی جاسکتی ہے۔

۵۔ اس طریقۂ تفسیر کے خلاف مخالفین کی جانب سے سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات و نظریات میں ثبات وقرار نہیں ہے اگر ہم نے قرآن سے سائنس کی مطابقت وتطبیق کا دروازہ کھول دیا تو بڑی دشواری پیدا ہو جائے گی مثلاً آج ایک سائنسی نظریے کو قرآن کے مطابق ثابت کر دیا گیا کل اگر علم و مشاہدہ کی بنیاد پر اس کے خلاف نظریہ قائم ہو گیا تو اب ہمارے سامنے دو راستے ہوں گے ایک تو یہ کہ ہم اس جدید تحقیق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور پرانے والے نظریئے پر ہی اصرار کرتے رہیں اس صورت میں اربابِ تحقیق (جو ظاہر ہے کہ اپنے اس جدید نظریے کے حق میں تجربات و مشاہدات اور علمی و عقلی دلائل رکھتے ہوں گے) کی نظر میں قرآن کا اعجاز ثابت ہونے کی بجائے الٹا مذاق بن کر رہ جائے گا۔ دوسرا راستہ یہ ہوگا کہ اس جدید نظریے کو بھی قرآن کے مطابق ثابت کر دیا جائے۔ اس صورت میں وہ کتاب جو ہدایت و اعجاز کے لئے آئی تھی تضادات کا پلندہ بن کر رہ جائے گی۔

یہ اعتراض نہایت برجستہ اور منطقی ہے اس کا جواب استاذ محترم ڈاکٹر جمال مصطفی مدظلہ کی اس تحریر میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

"قرآنی عبارات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک سے زیادہ معانی کی متحمل ہوسکتی ہیں' اس خصوصیت نے قرآنی مدلولات کا دائرہ وسیع کر دیا ہے' اس بنیاد پر اگر کسی حقیقتِ علمیہ ثابتہ کی نظیر آیت کے محتمل معانی میں سے کسی ایک میں پائی جائے تو اس احتمال کو تسلیم کیا جاسکتا ہے مگر اس پر جزم وقطعیت کا حکم لگانا درست نہیں ہے' ظاہر ہے کہ یہ حقیقتِ علمیہ احتمالی معانی میں سے ایک میں داخل ہو رہی ہے' قرآن کی نص قطعی اس پر دلالت نہیں کرتی۔ اب اگر یہ حقیقتِ علمیہ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ برقرار رہے تو ہم بھی اس احتمال کو تسلیم کرتے رہیں گے اور اگر اس کے خلاف پر کسی زمانے میں دلیل قائم ہو جائے تو بھی قرآن پر کوئی حرف نہیں آئے گا' کیونکہ ہم نے اس حقیقتِ علمیہ پر نص قطعی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ قرآن نے ارشاد فرمایا ہے:

ومن کل شیء خلقنا زوجین

ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں۔

آج کا جدید سائنسی نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں دو متقابل قوتیں یا دو متقابل اجزا ہوتے ہیں' جن میں سے ایک کو الیکٹرون اور دوسرے کو پروٹون کہا جاتا ہے۔ اب اگر اس نظریے کو قرآن پر منطبق کرتے ہوئے دعویٰ کیا جائے کہ آیت میں مذکور لفظ "زوجین" سے یہی الیکٹرون اور پروٹون مراد ہیں تو یہ طریقۂ تفسیر درست نہیں ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لفظ زوجین کے متعدد احتمالی معانی میں سے ایک معنی ان پر بھی منطبق ہوتا ہے' مگر آیت اس پر نص قطعی نہیں ہے' اب اگر یہ نظریہ قائم رہتا ہے تو ہم بھی اس احتمال کو تسلیم کرتے رہیں گے اور اگر کسی زمانے میں الیکٹرون اور پروٹون خرافات ثابت ہو جاتے ہیں تب بھی قرآن پر کوئی اثر نہیں ہوگا کیوں کہ قرآن نے ان پر نص وارد نہیں کی تھی۔

پروفیسر موصوف کا جواب بظاہر تو معقول لگتا ہے مگر اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے کہ "فیہ مافیہ"۔

قرآن اور سائنس میں تعارض کی حقیقت

قرآن جس ذات نے نازل فرمایا ہے اور یہ جس کا کلام ہے اسی ذات نے یہ پوری کائنات بنائی ہے اور اس کو کائنات کے ایک ایک ذرے کی خبر ہے' لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن میں کائنات کے بارے میں کوئی ایسی معلومات دی گئی ہو' جو تحقیقات سے غلط ثابت ہو جائے۔ اگر کہیں بظاہر قرآن کی کسی آیت اور کسی سائنسی نظریے میں تعارض نظر آرہا ہو تو یا تو قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں خطا ہوئی ہے یا پھر وہ سائنسی نظریہ غلط ہے۔ بہت مشہور جملہ ہے کہ:

لاتعارض بین صحیح المنقول و صریح المعقول

یعنی صحیح منقول اور صریح معقول کے درمیان تعارض ممکن نہیں ہے۔

ابن ارشد الاندلسی اپنی کتاب "فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال" میں لکھتے ہیں۔

واذا کانت ھذا الشریعۃ حقاً وداعیہ الی النظر المؤدی الی معرفۃ الحق فانا معشر المسلمین نعلیم علی القطع انہ لایؤدی النظر البرھانی الی مخالفۃ ما ورد بہ الشرع فان الحق لا یضاد الحق بل یوافقہ ویشھدلہ

جب یہ شریعت حق ہے اور اس نظر وفکر کی طرف داعی ہے جس نظر وفکر کے ذریعہ حق کی معرفت حاصل ہوتی ہے' تو ہم مسلمان قطعی طور پر اس بات کو جانتے ہیں کہ جو کچھ شریعت میں وارد ہے نظر برہانی اس کی مخالفت کی طرف ہرگز رہنمائی نہیں کرے گی اس لئے کہ حق' حق کا معارض نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کا موافق ہوتا ہے اور اس کی (صحت) پر گواہی دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر احمد عمر ابوحجر فرماتے ہیں۔

"سائنسی تحقیقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

ا۔ سائنسی مفروضہ

۲۔ سائنسی نظریہ

۳۔ سائنسی حقیقت

سائنسی مفروضہ اور سائنسی نظریہ قابل تبدیل ہوتے ہیں اور کبھی بظاہر قرآنی آیات سے متصادم بھی ہوتے ہیں مگر بعض نظریات مسلسل تحقیقات‘ تجربات اور مشاہدات کے عمل سے گزرتے ہوئے بالآخر سائنسی حقیقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور کوئی حقیقت علمیہ ثابتہ کسی بھی حال میں قرآن کریم سے متعارض نہیں ہوسکتی ہاں کبھی کبھی بعض سائنسی نظریات قرآن کی بعض آیات سے متعارض نظر آتے ہیں اور یہ تعارض اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نظریات ابھی ناپختہ ہیں‘ ان کے استنباط میں کہیں نہ کہیں انسانی عقل نے دھوکا کھایا ہے۔

شیخ مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں۔

ان الحقائق العلمية لاتتنافى مع القرآن ابداً ولكن النظريات العلمية التى لم تستقر بعد بادلة يقينية ثابتة قد تختلف

سائنسی حقائق کسی بھی حال میں قرآن کے ساتھ متعارض نہیں ہو سکتے‘ ہاں وہ سائنسی نظریات جو ابھی ادلۂ یقینیہ ثابتہ کے ذریعہ مستقر نہیں ہوئے ہیں وہ کبھی قرآن سے متعارض ہو جاتے ہیں۔

سائنسی تفسیر کے سلسلہ میں بعض بے اعتدالیاں

سائنسی تفسیر کے پرجوش حامیوں سے اس سلسلہ میں بعض بے اعتدالیاں بھی صادر ہوئی ہیں جن سے بہرحال اتفاق نہیں کیا جاسکتا‘ مثلاً:

۱۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر سائنسی نظریے کو قرآن کے مطابق ثابت کر دکھایا جائے اور اگر بعض سائنسی نظریات کو قرآن کے مطابق نہ دکھایا گیا تو گویا قرآن کی صداقت میں شک واقع ہو جائے گا‘ لیکن سائنسی تفسیر سے متعلق کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ اس طریقۂ تفسیر کے حامیوں نے گویا قسم کھالی ہے کہ سائنس کا ہر

نظریہ خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اس کو قرآن کریم کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائیں گے بلکہ بعض وہ تحقیقات جو ابھی صرف ایک مفروضے سے آگے نہیں بڑھی ہیں اور خود سائنس دانوں کے درمیان اس میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں‘ ایسے پادر ہوا مفروضوں کو بھی ہمارے ان مفسرین نے قرآن کریم کے عین مطابق ثابت کر دکھانے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔ اس انتہا پسندی اور بے اعتدالی نے مزید چند بے اعتدالیوں کو جنم دیا‘ جن کا ذکر آگے ہو رہا ہے۔

۲۔ جب ہر سائنسی نظریے اور قرآن کریم کے درمیان تطبیق کی ٹھہری ہو تو پھر قرآن کی آیتوں میں بے جا تاویل اور کھینچ تان کا دروازہ بھی کھولنا پڑ گیا‘ نتیجہ یہ ہوا کہ آیت کے سیاق وسباق اور ان کے شان نزول وغیرہ سے بالکل قطع نظر کر کے اس آیت کی تفسیر کی جانے لگی‘ بلکہ اگر کبھی کسی سائنسی مفروضے کو قرآن کریم کے مطابق ثابت کرنے میں ضرورت پڑی تو عربی لغت اور نحوی وصرفی قواعد کی مخالفت سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

۳۔ سائنسی تفسیر کرنے والے بعض جدید مفسرین کی عادت یہ ہے کہ وہ جب کسی آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں تو یہ تاثر دیتے ہیں کہ نزول قرآن سے لے کر آج تک اس آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا گیا اب سائنس کی مدد سے اس آیت کا مفہوم واضح ہوا ہے اور اس سے قبل جتنے بھی علماء اور مفسرین گزرے سب نے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ کسی آیت کے معنی ومفہوم کے سلسلہ میں از اول تا آخر پوری امت کو خاطی یا جاہل گردانتا کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ بالخصوص وہ آیات جن کی تفسیر رسول معصوم ﷺ سے بروایات صحیحہ منقول ہو ان کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا صحیح معنی اور اللہ کی مراد اب ہم نے سمجھی ہے اس سے پہلے لوگ کم علمی کی وجہ سے اس کو غلط سمجھتے آرہے تھے یہ بہت سنگین جرم ہے‘ بقول یوسف قرضاوی ’’اس طریقۂ تفسیر کو اس شرط پر قبول کیا جاسکتا ہے کہ یہ قدیم تفاسیر پر ایک اضافہ ہو‘ نہ یہ کہ یہ طریقۂ تفسیر قدیم تفاسیر پر خط تنسیخ کھینچ دے۔

سائنسی تفسیر کے رواج کے اسباب

جیسے جیسے علم و تحقیق کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے ویسے ویسے سائنسی تفسیر کا رواج بھی بڑھتا جارہا ہے، گزشتہ ۲۰، ۲۵ برسوں میں اس موضوع پر اتنی کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان کو جمع کر لیا جائے تو صرف انہیں کتابوں سے ایک لائبریری تیار ہو جائے، سائنسی تفسیر کے اس بڑھتے ہوئے رواج پر غور کیا جائے تو اس کے چند بنیادی اسباب سامنے آتے ہیں۔

۱۔ چونکہ جدید ذہن کو اس طریقے سے اسلام کی دعوت دینے میں مدد ملتی ہے لہٰذا اس طریقۂ تفسیر کے رواج پانے میں اس خیال کو بھی ایک اہم رول ہے کہ اس طرح ہم اسلام کی عظیم الشان خدمت کر رہے ہیں، اس میں سائنسی تفسیر کے بعض حامیوں کے خلوص اور تبلیغ اسلام میں ان کے جذبۂ صادق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ ہمارا یہ اعتقاد کہ قرآن میں علوم اولین و آخرین جمع کر دیے گئے ہیں، اس اعتقاد نے بھی اس قسم کی تفسیروں کے رواج میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔

۳۔ بعض لوگوں کا جدید سائنسی تحقیقات اور ترقی حد سے زیادہ متاثر اور مرعوب ہونا، ان کے نزدیک حق و باطل کا معیار صرف سائنس ہے جو چیز سائنس کے معیار پر کھری اترے وہ ان کے نزدیک حق ہے اور جو سائنس کے مزعومہ معیار پر پوری نہ ہو وہ خرافات میں شامل ہے، لہٰذا ان کے نزدیک قرآن کی صداقت کے لئے یہ ضروری قرار پایا کہ اس کی ہر آیت جدید سائنس کے مطابق ہو، یہ لوگ سائنس سے اس قدر مرعوب ہیں کہ کوئی سائنسی مفروضہ بھی اگر کسی آیت کریمہ سے متعارض ہوتا ہو تو یہ حضرات آیت میں تاویل ضروری سمجھتے ہیں، یہ مرعوب ذہنیت بھی سائنسی تفسیر کے رواج میں ایک اہم سبب ہے۔

۴۔ مسلمانوں کے زوال اور مغرب کی ترقی نے مسلمانوں کو ایک طرح کے احساس کمتری کا شکار کر دیا، سائنسی تفسیر کے رواج میں اس احساس کمتری اور شکست خوردہ ذہنیت نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا ہے، گویا ہم جب کسی سائنسی تھیوری کو قرآن کے مطابق

ثابت کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کہیں نہ کہیں یہ احساس بھی شامل ہوتا ہے کہ اے سائنسدانو! ہم تمہارے مقابلے میں غیر ترقی یافتہ ہی سہی لیکن تم اپنی تحقیقات کے بعد جس نتیجے تک اب پہنچے ہو وہ ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہماری آسمانی کتاب یہ بات آج سے سینکڑوں سال پہلے کہہ چکی ہے۔ اس خیال سے ہم اپنی شکست کے احساس سے کچھ دیر کے لیے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور نفسیاتی طور پر ہم مغرب کے مقابلے میں اپنی برتری کے احساس سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کی وجہ سے دن بدن سائنسی تفسیر کا رواج زور پکڑتا جارہا ہے۔

سائنسی تفسیر کے جواز کے لئے کچھ شرائط

گزشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہر حال سائنسی تفسیر کے جواز اور فائدے سے بالکلیہ انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اس کے جواز کے لیے کچھ حدود اور شرائط ہونا ضروری ہے تاکہ قرآن کریم کو بازیچۂ اطفال بنا کر اس کے تقدس سے کھلواڑ نہ کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں محتاط علماء و محققین نے کچھ شرائط وضع کی ہیں، یہاں ہم ان میں سے بعض شرائط کا ذکر کریں گے۔

۱۔ نصوص قرآن اپنے ظاہر پر ہیں ان میں تاویل صرف اسی صورت میں جائز ہے جب کوئی صارف قطعی موجود ہو، بغیر صارف قطعی تاویل اور بلاوجود قرینہ حقیقی معنی سے مجاز کی طرف نص کو پھیرنا جائز نہیں ہے، کوئی سائنسی مفروضہ یا نظریہ کسی بھی حال میں صارف قطعی اور قرینۂ قویہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ صرف اس سائنسی نظریے کی تطبیق کی خاطر خواہ مخواہ نص کو ظاہر سے پھیرا جائے یا حقیقی معنی سے مجازی معنی کی طرف عدول کیا جائے۔ سائنسی تفسیر کے حامیوں نے اس شرط کو نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے قرآن کریم میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھل گیا۔

۲۔ جب کسی سائنسی نظریہ کی کسی آیت سے [illegible] ثابت کرنا ہو تو پہلے یہ دیکھنا

چاہیے کہ اس موضوع سے متعلق قرآن کریم میں اور جتنی آیات ہیں' ان تمام آیات کو جمع کر
کے ان پر غور کیا جائے اور پھر ایک معنی متعین کیا جائے' اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو ممکن
ہے کہ ایک موضوع سے متعلق ایک آیت تو اسی سائنسی نظریے کے مطابق ہو جائے لیکن
اسی موضوع سے متعلق دوسری آیت کے الفاظ ان معانی کے متحمل نہ ہوں' اس طرح قرآن
کریم تضادات کا مجموعہ بن کر رہ جائے گا۔

۳۔ اس سلسلہ میں ایک بہت اہم شرط یہ ہونی چاہیے کہ جب تک کوئی سائنسی تحقیق
''سائنسی حقیقت'' کے درجے کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس کی توفیق وتطبیق کی کوشش
نہیں کرنی چاہیے' کیونکہ جیسا کہ ابھی گزرا کہ سائنسی مفروضات اور سائنسی نظریات میں
ثبات وقرار نہیں ہے لہٰذا ایسے کسی بھی مفروضے یا نظریے کو قرآن کے مطابق ثابت کرنا
قرآن کی صداقت کو مشکوک بنا دینے کے مترادف ہے۔

۴۔ قرآنی آیات کے مدلولات کا دائرہ اگرچہ وسیع ہے مگر اس کا خیال رکھنا ہوگا کہ
قرآنی الفاظ کے صرف انہیں معانی کا استخراج کیا جائے جن پر وہ لفظ عصر نزول قرآن میں
دلالت کرتے ہوں' مفردات قرآنی کے ان معانی سے تجاوز نہیں کیا جائے گا جو عصر نزول
میں مستعمل تھے' مثلاً عصر نزول میں لفظ ''ساعت'' کے چند معانی تھے مگر اب جدید عربی
میں ''ساعت'' وقت معلوم کرنے کے ایک آلے یعنی گھڑی کو بھی کہتے ہیں' اب اگر یہ کہا
جائے کہ گھڑی کا ذکر قرآن میں موجود ہے تو یہ درست نہیں ہوگا۔

۵۔ قرآن اور سائنس کی تطبیق کے وقت نحوی اور صرفی قواعد اور اصولِ بلاغت کی
رعایت کرنا بھی ضروری ہے' قرآن کی زبان اس کا سب سے بڑا اعجاز ہے' لہٰذا ایسے معانی
کا استخراج جائز نہیں ہے جن کی وجہ سے نحوی صرفی قواعد کی مخالفت یا اصول بلاغت سے
خروج لازم آئے۔

تطبیق کے وقت آیت کے سیاق وسباق اور اس کی شان نزول کا خیال رکھنا بھی
ضروری ہے' اگرچہ علم تفسیر کا یہ قاعدہ ہے کہ:

العبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب — یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار کیا جائے گا نزول کے سبب خاص کا نہیں۔

مگر اس قاعدے کی تطبیق کے کچھ قواعد ہیں' یہ درست نہیں کہ ہر جگہ اس
قاعدے کو چسپاں کر دیا جائے' اور صرف سائنس کی مطابقت کے شوق میں آیت سے سیاق
وسباق اور سبب نزول سے بالکل صرف نظر کر لیا جائے۔

اگر مذکورہ شرائط کے ساتھ کوئی سائنسی حقیقت کسی قرآنی آیت کے مطابق ہو
رہی ہے تو اس تطبیق کو قبول کیا جا سکتا ہے' اس کو بلاوجہ رد کرنے کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں
آتی۔ لیکن عموماً دیکھا گیا ہے کہ قرآن کی سائنسی تفسیر کے وقت لوگ' ان شرائط کا لحاظ نہیں
کرتے جس کے نتیجے میں قرآن کی عجیب وغریب تفسیریں سامنے آ رہی ہیں' انہیں مضحکہ خیز
تفسیروں کی وجہ سے بعض علماء نے بڑی شدت سے اس طریقۂ تفسیر کو سرے سے خارج ہی
کر دیا' جیسا کہ ہم نے مقالے کی ابتداء میں ان حضرات کی آراء نقل کی تھیں۔ یہاں ہم
ایسی ہی کچھ تفسیروں کی نشاندہی کریں گے جو ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے ناقابلِ قبول
ہیں۔

غیر مقبول سائنسی تفسیر کی کچھ مثالیں

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے'

ویقذفون بالغیب من مکان بعید — اور دور سے بن دیکھے کہہ گزرتے ہیں۔

جدید تحقیقات اور موجودہ ٹیکنالوجی کی روشنی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے
ڈاکٹر صلاح الدین خطاب نے کہا کہ دراصل اس آیت سے ٹیلی فون' ٹیلیگراف' ٹی وی اور
ریڈیو وغیرہ کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ ان جدید آلات کی مدد سے دور بیٹھے ایک مکان
سے دوسرے مکان تک آواز باتصویر پہنچائی جا سکتی ہے۔

۸۔ اس تفسیر میں نہ صرف یہ کہ آیت کے سیاق وسباق کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا
ہے بلکہ عربی زبان کے محاورے سے بھی قطع نظر کر لیا گیا ہے۔ یہ پوری آیت اور اس سے

نمل کی دو آیتیں یہ ہیں۔

ولو ترى اذ فزعوا فلافوت واخذوا من مكان قريب. وقالو امنا به وانى لهم التناوش من مكان بعيد. وقد كفروا به من قبل ويقذفون بالغيب من مكان بعيد	کاش تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہونگے بچ نکلنے کی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر لیکن اب یہ کیوں کر پاسکتے ہیں ایمان کو اتنی دور جگہ سے' حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے (حضور ﷺ سے) اس سے پہلے اور دور سے بن دیکھے یا وہ گوئیاں کرتے رہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ضیاء الامت پیر کرم شاہ ازہری فرماتے ہیں۔

"یعنی آج ایمان لانے کا کیا فائدہ' دنیا میں تو وہ ہمارے رسول کے ساتھ کفر ہی کرتے رہے' اور ان کی دل آزاری میں مشغول رہے' میرے نبی مکرم ﷺ کے کمالات کا انکار کرنے کے سوا ان کا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔ جب کوئی شخص لایعنی باتیں کرتا ہے اور ہرزہ سرائی کرتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ یقذف بالغیب العرب تقول لکل من تکلم بما لایحقہ: ھو یقذف ویرجم بالغیب کفار کا بھی یہی حال ہے بغیر کسی عقلی دلیل کے اپنے کفریہ عقائد پر اڑے ہوئے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں' کبھی قرآن کو من گھڑت افسانہ کہتے ہیں' کبھی قیامت کے عقیدہ کا مذاق اڑاتے ہیں' "من مکان بعید" کہہ کر ان کی بے ہودہ گوئی کی مزید توثیق کر دی' کہ ایک تو اندھیرے میں تیر مار رہے ہیں دوسرا نشانے سے بہت دور کھڑے ہو کر' کیا ایسے تیر اندازوں کا تیر بھی نشانے پر لگ سکتا ہے' یہی حال ان لوگوں کا ہے' اس آیت میں بھی روز محشر میں جو ان کا حال ہوگا اس کو بیان کیا گیا ہے۔"

۹۔ آپ نے دیکھا کہ اول تو ڈاکٹر صلاح الدین خطاب نے اس آیت کے سیاق و

سباق کو بالکل نظر انداز کر دیا اور پھر "یقذفون بالغیب" جو ایک محاورہ ہے اور لغت عرب میں اس کا ایک مخصوص معنی ہے اس سے بھی صرف نظر کر لیا۔

۲۔ قرآن کریم میں ایک جگہ علامات قیامت کے بیان میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

واذا وقع القول عليهم اخرجنا لهم دآبة من الارض تكلمهم ان الناس كانوا باياتنا لا يوقنون	اور جب ہماری بات کے ان پر پورا ہونے کا وقت آجائے گا تو ہم نکالیں گے ان کے لئے ایک چوپایہ زمین سے جو ان سے گفتگو کرے گا۔

یہاں "دابۃ" یعنی چوپائے کا ذکر ہے جو قرب قیامت کے وقت ظاہر ہوگا اور انسانوں کی طرح ان سے گفتگو کرے گا' اس چوپائے کے ظہور کے سلسلہ میں صحیح احادیث موجود ہیں لہٰذا عربی زبان میں "دابۃ" کا جو ظاہری اور حقیقی معنی ہے یہاں وہی مراد لیا جائے گا' اور اس لفظ میں تاویل کرنے یا اس کے مجازی معنی کی طرف عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن سائنسی تفسیر کے ایک پر جوش حامی عبدالرزاق نوفل نے اس معنی کو رد کرتے ہوئے لفظ "دابۃ" کا ایک جدید معنی بیان کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ دراصل وہ چوپایہ جو زمین سے نکل کر انسانوں سے بات کرے گا اس سے مراد مصنوعی سیارے (سٹلائٹ) ہیں کیوں کہ یہ مصنوعی سیارے زمین سے نکال کر فضا میں پہنچائے جاتے ہیں اور وہاں سے کائنات کے اسرار کے بارے میں انسانوں کو خبر دیتے ہیں' یہ خبر دینا ہی گویا ان کا انسان سے کلام کرنا ہے۔

اس تفسیر میں نہ صرف یہ کہ لفظ "دابۃ" کے مقررہ معانی کے دائرے سے تجاوز کیا گیا ہے اور نحوی قاعدے کو نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ آیت' کریمہ کی تفسیر ماثور سے بھی صرف نظر کر لیا گیا ہے۔ صحیح احادیث میں جہاں علامات قیامت کا ذکر ہے وہاں بہت واضح الفاظ میں اس چوپائے کے ظاہر ہونے اور اس کے انسان سے کلام کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ امام مسلم حضرت حذیفہ بن اسید سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: 'قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس کے متعلق دس نشانیاں نہ دیکھ لو' دھواں' دجال' دابۃ الارض' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول' یاجوج ماجوج کا ظہور' تین جگہ زمین کا دھنسنا' (مشرق میں' مغرب میں اور جزیرۂ عرب میں) اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی۔

۱۴۔ امام مسلم ہی نے ایک اور روایت نقل فرمائی ہے۔

عن عبدالله بن عمر سمعت رسول الله ﷺ يقول ان اول الآيات خروجاً طلوع الشمس من مغربها وخروج الدابة على الناس ضحى وايتهما كانت قبل صاحبتها فالاخرى على اثرها قريباً

حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی اوّلین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابہ (چوپایہ) کا نکلنا ہے' ان دو میں جو بھی پہلے واقع ہوا دوسرا فوراً اس کے بعد ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ چوپائے کا نکلنا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا دونوں نشانیاں زمانے کے اعتبار سے قریب قریب ہونگی۔ اگر مصنوعی سیاروں کے ظہور کو ہی دابۃ الارض مان لیا جائے تو پھر اب تک تو سورج مغرب سے طلوع ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ سٹلائٹ کی ایجاد کو لگ بھگ چار دھائیاں ہونے کو آئیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت کریمہ میں ''اذا'' حرف شرط اور ''اخرجنا'' جواب شرط واقع ہوا ہے۔ یعنی جب ہماری بات پورا ہونے کا وقت آئے گا تو دابہ نکالیں گے لہٰذا آیت کا معنی متعین کرتے وقت اس نحوی ترکیب کی رعایت بھی ضروری ہے اور پھر دابہ اگرچہ وضع اول کے لحاظ سے رینگنے والے کیڑے کو کہتے ہیں' مگر عربی میں اس کے معنی میں تعمیم کر کے ہر ذی روح حیوان پر دابہ کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی مشین اور غیر ذی روح آلے پر لفظ دابہ کا اطلاق کیا جائے تو یہ اس لفظ کے مقررہ معانی کی حدود سے تجاوز ہوگا۔

۱۵۔ ان سب وجوہات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ آیت کی یہ تفسیر ناقابل قبول ہے۔

قرآن کریم میں سبع سمٰوات (سات آسمان) کا متعدد مقامات پر تذکرہ آیا ہے' قرآن کریم میں وارد اس لفظ کی بھی مختلف فلکیاتی اور سائنسی تفسیریں کی گئی ہیں مگر کوئی تفسیر ایسی نہیں ہے جو اعتراض سے خالی ہو۔ قدیم و جدید علماء ہیئت و فلکیات نے اس لفظ کا کوئی مناسب مدلول تلاش کرنے کی ہر چند کوششیں کی ہیں مگر اس کی کوئی توجیہ ایسی نہیں ہے جو عربی قواعد' عربی لغت اور سائنسی تحقیقات' سب کے مطابق ہو۔ ایسی صورت میں علماء راسخین نے یہی فرمایا ہے کہ سبع سمٰوات کے وجود پر ہمارا ایمان ہے مگر اس کی صحیح کیفیت ہمیں نہیں معلوم' ابھی انفس و آفاق کے سلسلے میں انسان کا علم ارتقاء پذیر ہے ممکن ہے ۵۰ یا ۱۰۰ سال یا اس کے بعد جب انسان کائنات کے کچھ اور رازوں سے پردہ اٹھا لے اور آسمانی دنیا کے دیگر پوشیدہ حقائق اجاگر ہوں تو شاید اس لفظ کے حقیقی مدلول تک ذہن انسانی کی رسائی ہو جائے۔ اس لفظ کے سلسلے میں قدیم علماء ہیئت اور جدید سائنسدانوں نے اب تک جو تحقیقات کی ہیں یہاں ہم اس کا ایک سرسری جائزہ لیں گے۔

سمٰوات یہ ''سماء'' کی جمع ہے' امام راغب اصفہانی کے بقول سماء کا لغوی معنیٰ ہے ''سماء کل شئ اعلاه'' یا ''کل ما يعلو غيره'' [۱] یعنی ہر وہ چیز کے اوپر ہو۔ لفظ سماء قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے آیا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں (۱) چھت (۲) بادل (۳) بارش (۴) جہت علو (۵) فضاء محیط وغیرہ۔ لفظ سمٰوات بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے اور کہیں یہ سبع (سات) کی قید کے ساتھ آیا ہے۔ آسمانوں کے بارے میں قدیم یونانی ہیئت دانوں کا نظریہ یہ تھا کہ آسمان نو ہیں' جس میں سب سے اوپر والے آسمان کو فلک الافلاک یا فلک الاطلس یا محدد الجہات کہتے ہیں' اس کے بعد فلک الثوابت ہے جس کو فلک البروج بھی کہتے ہیں' اس آسمان میں تمام تر ستارے اور کہکشائیں ہیں' اس کے بعد بالترتیب سات سیاروں کے سات آسمان ہیں' فلک زحل' فلک مشتری' فلک مریخ' فلک شمس' فلک زہرہ' فلک عطارد اور فلک قمر' اس آخری فلک کو جس میں چاند ہے سماء دنیا بھی کہتے ہیں۔ [۲] پھر ان تمام افلاک کی ساخت وغیرہ کے

سلسلے میں ان کے اپنے اندازے تھے' جواب جدید سائنس کی روشنی میں اوہام و خرافات کے زمرے میں آ چکے ہیں۔ جب یونانی علوم ترجمہ ہو کر عربوں کے پاس آئے تو اپنے ساتھ بطلیموں کی ہیئت بھی لے کر آئے' اب مسلمان حکماء کے سامنے ایک مسئلہ یہ کھڑا ہو گیا کہ قرآن صومتاً سات آسمانوں کی خبر دے رہا ہے مگر یونانی ہیئت کے مطابق آسمان نو ہیں۔ ان حکماء کی بھی وہی کمزوری تھی جو آج ہمارے جدید سائنسی مفسرین کی ہے کہ یہ لوگ یونانی علوم سے اس درجہ مرعوب و متاثر تھے کہ اس کی ہر بات بے چون و چرا درست تسلیم کرتے تھے اور اگر فلسفے کا کوئی نظریہ قرآن سے متعارض ہوتا تو وہ لوگ قرآن کریم میں تاویل کر دیا کرتے تھے' لہٰذا جب قرآن کے سات آسمان کے نظریئے اور یونان کے نو آسمان کے نظریئے میں تعارض ہوا تو ان حکماء نے قرآن میں تاویل اور کھینچ تان کر کے اس کو فلسفے کے مطابق کر دیا اور یہ کہا کہ قرآن میں وارد سات آسمان تو وہ ہیں جو سات سیاروں کے آسمان ہیں رہا آٹھواں آسمان یعنی فلک البروج تو یہ وہ ہے جس کو قرآن نے کرسی کہا ہے اور نواں آسمان یعنی فلک الافلاک وہ ہے جس کو قرآن نے عرش کہا ہے' کرسی آٹھواں آسمان ہے اور عرش نواں آسمان ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ابن سینا نے قرآن کی ایک آیت میں عجیب و غریب تاویل کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے' **ويحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية** [۳] (ترجمہ: اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہو گا) ابن سینا نے کہا کہ دراصل یہاں آٹھ فرشتے نہیں بلکہ آٹھ آسمان مراد ہیں جن کے اوپر نواں آسمان یعنی عرش ہے۔

[۴] یہ تاویل کئی اعتبار سے ناقابل قبول ہے اولاً تو یہ آیت قیامت کے احوال کے بارے میں ہے جس پر اس کا سیاق و سباق دلالت کر رہا ہے' اور پھر ''ثمانية'' سے افلاک نہیں بلکہ فرشتے ہی مراد ہیں' اس سلسلے میں اس کے قبل کی آیت میں واضح اشارہ موجود ہے۔ اسی لیے ماہر فلکیات علامہ بہاء الدین عاملی نے اپنی کتاب ''تشریح الافلاک'' کے حاشیۂ میں یہ میں صراحت کی ہے کہ ''**ظاهر القرآن انحصار الافلاك فى السبع**

وضم الكرسي و العرش الى الافلاك جاء علىٰ مذاق الحكماء القائلين بالتسع وليس لهم علىٰ ذلك برهان'' [۵] (ترجمہ: قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ آسمان سات ہی میں منحصر ہیں' عرش اور کرسی کو افلاک کے ساتھ ملانا یہ حکماء کے ذوق کے مطابق ہے' حالانکہ ان کے پاس اس کے لئے کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے)۔

۲۰ ویں صدی کے شروع میں جدید اسٹرانومی نے نو آسمانوں کے یونانی نظریے کو غلط قرار دیتے ہوئے آسمان نام کی کسی بھی چیز سے انکار کر دیا تو پھر ایک بار قرآن کے فرمان سبع سمٰوات اور سائنس میں تعارض ہو گیا' اس تعارض کو دور کرنے کے لئے ایک بار پھر قرآن کو تاویل اور کھینچ تان کا تختۂ مشق بنا لیا گیا اور یہ تاویل کی گئی کہ دراصل سات آسمان سے سات سیارے مراد ہیں' علامہ جلال الدین القاسمی دمشقی (متوفی ۱۹۱۴ء) اپنی کتاب ''محاسن التاویل'' میں لکھتے ہیں ''**اعلم ان لفظ السماء يطلق لغة علىٰ كل ما علا الانسان ' فانِ هذا اللفظ من السمو وهو العلو ' فسقف البيت سماء ' و الكواكب سمٰوات ' فالسمٰوات السبع المذكوره كثيراً فى القرآن الشريف هى السيارات السبع ' وهى طباق اى ان بعضها فوق بعض لان فلك كل منها فوق فلك غيره**'' [۶] (ترجمہ: لفظ سماء کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو انسان کے اوپر ہو' یہ لفظ سمو سے مشتق ہے جس کا معنیٰ بلندی ہے' لہٰذا گھر کی چھت بھی سماء ہے اور سیارے بھی سماء ہیں' قرآن شریف میں کئی جگہ جو سات آسمان وارد ہوا ہے' وہ یہی سات سیارے ہیں اور وہ طباق یعنی ایک کے اوپر ایک ہیں' اس لئے کہ ان میں کے ہر ایک کا فلک دوسرے کے فلک کے اوپر ہے)۔

سات آسمان کی یہ تاویل بھی ناقابل قبول ہے' جس کی چند وجوہ ہیں۔ (الف) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ''**الم تروا كيف خلق الله سبع سمٰوات طباقاً وجعل القمر فيهن نوراً**'' [۷] (ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہہ بہ تہہ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

چاند کو آسمانوں کے اندر روشنی بتایا ہے' اگر چاند (جو سات سیاروں میں سے ایک ہے) کو ان سات آسمانوں میں سے ایک مان لیا جائے تو لازم آئیگا کہ مجعول اور مجعول فیہ ایک ہی ہو جائیں' اور یہ محال ہے۔[۸]

(ب) یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ سمٰوات آیا ہے تو وہ لفظ ارض (زمین) کے مقابل میں آیا ہے یعنی زمین و آسمان دو متقابل چیزیں ہیں ' لیکن اگر سات آسمان سے سات سیارے مراد ہوں تو یہ دقت پیش آئیگی کہ جدید اسٹرا نومی کی رو سے زمین خود ایک سیارہ ہے' جو سورج کے اردگرد گھوم رہا ہے اور وہ بھی ان سات سیاروں میں شامل ہے' لہٰذا اس صورت میں زمین و آسمان ایک دوسرے کے متقابل نہیں رہیں گے بلکہ ایک ہی چیز کے دو نام ہو جائیں گے۔

(ج) تیسری بات یہ کہ سات آسمانوں کی تفسیر سات سیاروں سے کرنا اس وقت تو ٹھیک تھا جب علم فلکیات کی رو سے صرف سات ہی سیارے تسلیم کیے گئے تھے' لیکن اب سیاروں کی تعداد سات سے متجاوز ہو گئی ہے' اب ان سات سیاروں کے علاوہ یورینس' نیپٹیون اور پلوٹو بھی دریافت کر لئے گئے ہیں (ابھی کچھ روز پہلے آخر الذکر کو اس خاندان سے خارج کر دیا گیا ہے) لہٰذا ان وجوہات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سبع سمٰوات کی یہ تفسیر درست نہیں ہے۔ جب خود سائنس اور فلکیات کی روشنی میں یہ تفسیر غلط ثابت ہو گئی تو اب کچھ سال قبل سات آسمانوں کی ایک اور جدید تفسیر کی گئی' ترکی کے مشہور ماہر فلکیات اور عالم ڈاکٹر ہلوک نور باقی (Halook Nur Baqi) قرآن میں وارد لفظ سبع سمٰوات (سات آسمان) اور جدید سائنسی نظریات کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔" بہت سی آیات میں قرآن کریم نے جو ایک عظیم الشان کتاب ہے' کائنات میں سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے۔ سائنس پچھلے دو سو سالوں سے کائناتی فضا (کوسموس) کا مطالعہ کرتی رہی ہے۔ مگر ابھی تک اس موضوع پر کوئی واضح معلومات حاصل نہیں کر سکی۔ یہ صرف پچھلے پچیس سالوں میں ہوا ہے کہ آسمانی طبیعات (Astrophysics) کے میدان

میں انتہائی دلچسپ دریافتیں اس طرح سامنے آئی ہیں کہ قرآن کے معجزات بالکل عیاں ہو گئے ہیں"[۹] پھر آگے چل کر ان سات آسمانوں کے بارے میں لکھتے ہیں "(۱) وہ فضائی میدان (Spatial Field) جو ہم اپنے شمسی نظام کے ساتھ مل کر بناتے ہیں' وہ پہلا آسمان ہے۔(۲) ہماری ثریا (گلیکسی) کا فضائی میدان دوسرا آسمان بناتا ہے۔(۳) ثریاؤں کا ہمارا مقامی جھرمٹ (Local Cluster) تیسرا آسمان بناتا ہے۔(۴) کائنات کا وہ مرکزی مقناطیسی میدان جو ثریاؤں کے جھرمٹوں کی یکجائی (Collectivity) کو ظاہر کرتا ہے وہ چوتھا آسمان ہے۔(۵) وہ کائناتی پٹی (کھک بینڈ) جو نیم نجمی ریڈیائی کوثرز (Quasars) کو ظاہر کرتی ہے پانچواں آسمان ہے۔(۶) پھیلتی ہوئی کائنات کا وہ میدان جو پیچھے ہٹتی ہوئی ثریاؤں کو ظاہر کرتا ہے وہ چھٹا آسمان ہے۔(۷) سب سے باہر والا میدان جو کائنات کی لامتناہی (Infinity) کا مظہر ہے وہ ساتواں آسمان ہے۔ چنانچہ اس طرح تہہ در تہہ سات آسمانوں کی نشاندہی ہوتی ہے جن کا ذکر قرآن حکیم نے چودہ صدیاں قبل کیا تھا"[۱۰] پھر آگے چل کر ان آسمانوں کے درمیانی فاصلوں وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔" پہلی آسمانی تہہ اندازاً ساڑھے ساٹھ کھرب کلومیٹر چوڑی ہے' دوسری تہہ یا ہماری ثریا (Glalaxy) کا قطر ایک لاکھ تیس ہزار نوری سال ہے' تیسرا آسمان یا ہمارا مقامی جھرمٹ بیس لاکھ نوری سالوں پر محیط ہے' چوتھا آسمان جو ثریاؤں کا جمگھٹا ہے اور جو کائنات کے بالکل اندر کا مغز یا مرکز ہے قطر میں ایک کروڑ نوری سال کے برابر ہے' پانچواں آسمان ایک ارب نوری سالوں کے فاصلے پر ہے اور چھٹا آسمان بیس ارب نوری سالوں کے فاصلے پر ہے"[۱۱]

سات آسمانوں کی ایک دوسری سائنسی تفسیر یہ ہے کہ زمین کے اردگرد مختلف قسم کی گیسوں کی سات تہیں (لیرز) ہیں دراصل سات آسمانوں سے یہی گیس کی سات تہیں مراد ہیں ہے۔ مگر ان دونوں سائنسی تفسیروں کو قبول کرنے میں چند وجوہ سے تامل ہے۔

(الف) قرآن کریم کی مختلف آیات میں جو سماء یا سمٰوات آیا ہے وہاں ان کے ساتھ ایسی

صفات کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی جسم کو عارض ہوتی ہیں' مثلاً ''تکاد السمٰوٰت یتفطرن'' [۱۲] (ترجمہ: قریب ہے آسمان پھٹ جائیں) ''اذا السماء انفطرت'' [۱۳] (ترجمہ: جب آسمان پھٹ جائیگا) ''یوم نطوی السماء'' [۱۴] (ترجمہ: اس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے) ''و اذا السماء کشطت'' [۱۵] (ترجمہ: اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائیگی) ''یوم تشقق السماء'' [۱۶] (ترجمہ: اور جس روز آسمان پھٹ جائیگا) ''اذا السماء انشقت'' [۱۷] (ترجمہ: جب آسمان پھٹ جائیگا) ان ساری آیات کو اگر بغور پڑھا جائے اور عربی زبان میں انفطار' انشقاق' طی وغیرہ کے معانی کو دیکھا جائے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سارے اوصاف جسم کے ہیں۔ان کو فضائی میدانوں' کہکشاؤں کے آپسی فاصلوں اور گیسوں کی تہوں پر منطبق کرنا درست نہیں ہے۔

(ب) حدیث پاک جو تفسیر قرآن کا دوسرا سب سے معتبر ماخذ ہے' اس میں شب معراج کی طویل حدیث پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا' کہ حضور اکرم ﷺ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف سفر کرتے ہوئے عرش تک پہنچے اور امام بخاری کی روایت کے مطابق اس طرح کہ پہلے حضرت جبریل نے ہر آسمان کے دروازے پر دستک دی' دروازہ کھلا' پھر آپ اس میں داخل ہوئے [۱۸] اس معنیٰ و مفہوم کی بے شمار صحیح احادیث موجود ہیں جن میں آسمان کے دروازوں کا ذکر ہے' یہ احادیث اپنے ظاہر پر ہیں ان میں تاویل کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے' اگر آسمان گیس کی تہوں یا فضائی میدانوں یا کہکشاؤں کے جھرمٹوں کا نام ہو تو پھر ان احادیث کو ان پر منطبق کرنا دشوار ہو جائے گا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی بے جا نہیں ہوگا کہ سائنسی انکشافات سے بے پناہ مرعوب و متاثر اور سائنسی تحقیقات کو حق و باطل کا معیار گمان کرنے والے ایک محقق ڈاکٹر احمد شلبی نے حدیث معراج کو رد کرنے کے لئے جو دلائل دیے ہیں ان میں ایک دلیل یہ بھی ہے۔''لیست ھناك ابواب تُدق'' [۱۹] (آسمان میں ایسے دروازے ہی نہیں ہیں جن کو کھٹکھٹایا جائے) پھر آگے چل کر حدیث پاک کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں۔''وقد

استطاع الرواد الامریکیون ان یصلوا الی القمر وان یھبطوا علیہ' وانا نتساء
ل: ھل وقفوا یدقون ابواب السماء ؟ ومن الذی فتحھا لھم'' [۲۰] (ترجمہ: امریکی
خلا باز چاند تک پہنچ گئے اور اس پر اترے بھی ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا انہوں نے رک
کر آسمان کے دروازے کھٹکھٹائے تھے؟ اور ان کے لئے وہ دروازے کس نے کھولے؟)
اسی قسم کے شبہات پیدا کر کے محقق موصوف نے بخاری شریف کی حدیث معراج کو موضوع
اور من گھڑت قرار دے دیا ہے۔اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے
والے ایک بندۂ مومن کو قرآن یا حدیث میں وارد کسی بھی قطعی الدلالۃ امر پر ایمان لانے
میں پس و پیش نہیں ہونا چاہیے' یہی عافیت کی راہ بھی ہے اور ایمان کا تقاضا بھی۔سائنس
کی اب تک کی دریافتوں اور تحقیقات کی روشنی میں اگر سبع سمٰوات کا معنیٰ و مفہوم آج
ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سائنس کی اب تک کی تحقیقات
کو حرف آخر سمجھ کر اس کو ''صارف قطعی'' کا درجہ دیتے ہوئے قرآن کی واضح اور صریح
آیات میں تاویل اور کھینچ تان کا دروازہ کھول دیا جائے۔سائنس لگاتار اپنی منزلیں طے کر
رہی ہے اور رفتہ رفتہ کائنات کے اسرار سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے' کوئی بعید نہیں کہ جس
طرح آج یونانی ہیئت کا نو آسمانوں کا نظریہ خرافات ثابت ہو گیا' بالکل اسی طرح آنے
والے وقتوں میں گیس کی تہیں' کہکشاؤں کے جھرمٹ اور فضائی میدان بھی فریب نظ
ثابت ہو جائیں اور کوئی ایسی تحقیق سامنے آ جائے جس سے قرآن کریم کی وہ آیات جن
میں سات آسمانوں کا ذکر ہے' ان کی شان اعجاز ساری دُنیا پر روشن ہو جائے۔

تفہیم قرآن میں سائنسی علوم کو اس طرح استعمال کیا جانا چاہیے کہ یہ علوم قرآ
کے خادم نظر آئیں' نہ کہ یہ کہ ان کو قرآن پر حاکم بنا دیا جائے۔قرآن کریم نے شراب
حرام قرار دیا ہے' جدید علوم کی مدد سے اس کے نقصانات کو اجاگر کیا جائے اور شراب
حرام کیے جانے کی حکمتوں میں غور کیا جائے' خنزیر کے گوشت کی حرمت پر جدید علوم
ذریعے تحقیق کر کے اس کی حکمت پر غور کیا جائے' قرآن کریم نے مخصوص ایام میں عورتو

سے ہم بستری کو منع فرمایا ہے' ان ایام میں جماع کے مضر اور منفی اثرات پر ریسرچ کر کے قرآنی حکم کی حکمتوں کو اجاگر کیا جائے۔ اس طرح ہم تفسیر قرآن کے سلسلے میں ان علوم سے کماحقہ استفادہ کر سکیں گے۔ اس سمت میں کافی تحقیقات ہوئی ہیں اور اب بھی جاری ہیں۔

☆☆☆

[۱] امام راغب الاصفہانی: مفردات غریب القرآن: ص ۴۴۳ مطبوعہ المیمنہ مصر: ۱۳۲۴ھ۔

[۲] علامہ امام الدین لاہوری: التصریح شرح التشریح: ص ۶' ۷ یاسر ندیم کمپنی دیوبند۔

[۳] الحاقہ: ۱۷۔

[۴] رسائل ابن سینا' ص: ۱۲۸' ۱۲۹' بحوالہ: التفسیر والمفسرون' ڈاکٹر محمد حسین ذہبی: ص ۳۱۵' جلد ۲' مکتبہ وھبہ القاہرہ ۲۰۰۰ء

[۵] بحوالہ علامہ امام الدین لاہوری: التصریح شرح التشریح ص: ۸' یاسر ندیم کمپنی دیوبند۔

[۶] جمال الدین القاسمی: محاسن التاویل' ۱۶/ ۸۷۷ عیسیٰ الحلبی القاہرہ' ۱۹۷۰ء۔

[۷] النوح: ۱۵' ۱۶۔

[۸] ڈاکٹر احمد عمر ابو حجر: التفسیر العلمی للقرآن' ص: ۳۸۱: دار قطیبہ بیروت ۱۹۹۱ء۔

[۹] ڈاکٹر ہلوک نورباقی: قرآنی آیات اور سائنسی حقائق: اردو ترجمہ: سید محمد فیروز شاہ: ص ۱۵۲' ۱۵۳' اسلامک بک فاؤنڈیشن' دہلی ۲۰۰۰ء

[۱۰] مرجع سابق ص: ۱۵۵۔

[۱۱] مرجع سابق ص: ۱۵۶۔

[۱۲] مریم: ۹۰۔

[۱۳] انفطار: ۱۔

[۱۴] الانبیاء: ۱۰۳۔

[۱۵] تکویر: ۱۱۔

[۱۶] فرقان: ۲۵۔

[۱۷] انشقاق: ۱۔

[۱۸] صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار باب المعراج: حدیث نمبر: ۳۸۸۷۔

[۱۹] ڈاکٹر احمد شلبی: من السیرۃ النبویۃ العطرۃ ج ۳' ص: ۳۱' مکتبۃ الاسرۃ' قاہرہ ۲۰۰۱ء۔

[۲۰] مرجع سابق ص: ۳۲۔

اسلام' عیسائیت اور تلوار!

تحریر............شاہ بلیغ الدین

کون کہتا ہے کہ عیسائیت تلوار کے زور سے نہیں پھیلی؟ عالمی تاریخ کے اوراق تو کھلے پکارے یہ بات کہتے ہیں۔ اگر تلوار نہ ہوتی تو مغرب سے مشرق تک باز نطینی حکومت کس طرح قائم ہوتی!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے۔ انہیں تبلیغ دین کے لئے چار ساڑھے چار سال سے زیادہ کی مدت نہ ملی۔ انہوں نے نہ کبھی اپنے اقتدار کی بات کی نہ کوئی مملکت بنائی۔ لیونڈ ڈوڈوونچی کا کہنا ہے کہ عیسائیت کے نام پر سارا کھیل کسنٹنطائن نے کھیلا۔ اللہ کے بندوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا۔ پچھلے دو ہزار سال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کروڑوں اللہ کے بندے مارے گئے۔ آج بھی یہ کھیل ایک نئے ایرلن نے شروع کیا ہے۔ اس کے دست گرفتہ دنیا کے کونے کونے سے یہ راگ الاپ رہے ہیں۔

پوپ بنڈیکٹ کا تازہ ترین بیان انتہائی متعصبانہ اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔ یا تو مغرب کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اور مذہبی پیشوا بھی جاہل مطلق ہوتے ہیں یا پھر یہ ایک سوچی سمجھی مفسدانہ حرکت تھی جس کے پیچھے وہی ہاتھ ہے جو اپنے مفادات کے حصول کے لئے دہشت گردی کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے صلیبی فتح کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ ورنہ پوپ ہرگز ریگنس برگ یونیورسٹی میں چودہویں صدی کے ایک ظالم حکمران مینوئل ثانی کے وہ الفاظ نہ دہراتے جو اس نے مسلمانوں سے بُری طرح ہارنے کے بعد غم و غصے سے ہذیان کے طور پر کہے تھے۔ یہ موقع تھا جب ترک مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا علاقہ اس کے ہاتھوں سے چھین لیا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ عیسائی حکمرانوں نے اور چرچ نے اپنے لوگوں پر اور

بالخصوص مسلمانوں پر بے تحاشہ ظلم ڈھائے۔ پوپ اپنی تقریر میں بڑی خوبصورتی سے عیسائیوں کے مظالم اور بالخصوص کلیسائی فوج کے مظالم کے ذکر کو گول کر گئے اور دین فطرت اور رحمۃ للعالمین ﷺ کو نعوذ باللہ تنقید کا نشانہ بنایا۔

مشرقی رومن سلطنت کے قیام کے لئے بقول مشہور انگریز مورخ گبن GIBBON کے قیصر روم نے اس علاقے میں کشت وخون کے وہ مظاہرے کئے جن کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مسلم اسپین میں پوپ کے حکم پر مسلمانوں کے خون کے دریا بہا ڈیے گئے۔ بلا مبالغہ مسلمانوں کی اس نسل کشی کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ اس بربریت کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اندلس (مسلم اسپین) میں سات سو سال حکومت کرنے کے باوجود وہاں ایک بھی مسلمان زندہ باقی نہیں بچا۔

مورخ گبن کا کہنا ہے کہ قرطبہ اور غرناطہ کی درس گاہوں میں مسلمانوں سائنسدانوں نے جو علم اور سائنس کی خدمت کی وہی دراصل یورپ کی موجودہ ترقی کی بنیاد ہے۔

یورپ کی تاریخ گواہ ہے کہ کلیسا اور تاج میں دو سو برس تک لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ ان لڑائیوں میں پوپ کی فوج نے ہزاروں اللہ کے بندوں کا خون کیا۔ پندرہویں صدی کے صنعتی انقلاب میں پوپ کے حکم پر کلیسائی فوج نے چن چن کر سائنسدانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

گلیلیو اور لونارڈو ڈو ونچی جیسے سائنسدان بھی کلیسا کے ظلم کا شکار ہوئے۔ جان ولیم ڈریپر نے لکھا ہے کہ پوپ کے حکم سے اس زمانے میں ہزاروں مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ پوپ بنڈیکٹ ہٹلر کی نازی تحریک میں سرگرم رہ چکے ہیں اور پانچ سے زیادہ یہودیوں کو تباہ کرنے میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ عہد نبوی ﷺ میں چھوٹی بڑی جتنی لڑائیاں بھی ہوئیں ان میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بقول ڈاکٹر حمید اللہ ۱۲۰ کے قریب اور ان لڑائیوں میں مارے جانے والے غیر مسلموں کی

تعداد تقریباً ۱۵۰ بتائی جاتی ہے۔ خون انسانی کا یہ احترام دنیا کی تاریخ میں بے مثال ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ حضور اکرم ﷺ کی صلح جویانہ روش سے دس برس میں دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی اسلامی مملکت قائم ہوئی۔ فتح مکہ کے موقع پر دی گئی عام معافی کی وجہ سے علاقے کے سارے مشرک لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

سر تھامس آرنلڈ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''دعوتِ اسلام'' میں واضح طور پر تفصیلات دیں ہیں کہ دنیا کے ہر کونے میں اسلام تبلیغ کی وجہ سے پہنچا۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ رومن سلطنت کے قیام کیلئے بے دھڑک تلوار کا استعمال کیا گیا۔ مستشرقین نے اسلام کے تعلق سے جتنی کتابیں انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور دیگر زبانوں میں لکھی ہیں ان میں اپنی عصبیت اور دشمنی کی وجہ سے مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

فرانسیسی مورخ موسیو لیبان نے اپنی شاہکار تصنیف ''تمدنِ عرب'' میں دو ٹوک الفاظ میں لکھا کہ ''اسلام تلوار کے زور پر نہیں اپنی سچائی، احترام انسانی اور روحانیت کی وجہ سے پھیلا۔''

پوپ بنڈیکٹ نے بھی مستشرقین کی طرح جہاد کو غلط طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی اور جہالت کا ثبوت یہ دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی مورخ یا فلاسفر کے قول کا حوالہ دینے کے بجائے انہوں نے محمد فاتح سے ۱۴۵۳ء میں شکست کھائے ہوئے ایک بازنطینی حکمران میئویل حکمران کے کہے ہوئے الفاظ کا حوالہ دیا۔ ظاہر ہے ایک شکست خوردہ حکمران اپنے دشمن کے لئے تعریفی کلمات کہنے سے تو رہا۔

اسلام انسانی کشت وخون کو حرام قرار دیتا ہے۔ قرآن میں حکم ہے کہ ''ایک گناہ انسان کو مارنا پوری قوم کو ختم کر دینا ہے۔'' جہاد اور قتال یعنی جنگ یہ دونوں الگ الگ صورتیں ہیں۔ مسلمان اس وقت تک لڑائی پر نہیں نکل سکتا جب تک مذاکرات اور سفارتی تعلقات سے امن برقرار رکھنے کی پوری کوشش نہ کر لے۔ اس کے بعد بھی اگر مخالف میدان جنگ میں نکل آئے اور دونوں فوجیں آمنے سامنے

ہوں تو بھی مسلمانوں کو حکم ہے کہ ایک مرتبہ اور صلح کی کوشش کریں اگر مخالف نہ مانے تو بھی اس صورت میں مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنی طرف سے پہل نہ کریں دشمن حملہ کر دے تو صرف اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیار اٹھائیں۔ یہی قرآن کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”جنگ اگر تم پر تھوپ دی جائے تب تم مدافعت کر سکتے ہو۔“

پوپ بنڈیکٹ نے ایک ارب چالیس کروڑ مسلمانوں کے جذبات مجروح کئے ہیں۔ انہیں اس جسارت پر ذاتی طور پر اپنی غلطی کا اعتراف کرنا اور معافی مانگنا چاہیے کہ انہوں نے روحانی قدروں کو پامال کیا ہے۔

نعت پاک

سرور بجنوری

یادِ شہ ابرار مرے دل میں بسی ہے
دل کیا ہے گلستان رسالت کی کلی ہے

فرمائیں گے وہ روز جزا اسکی شفاعت
سرکار کی امت ہے بری ہے کہ بھلی ہے

ہو جائے جسے گنبد خضرا کی زیارت
قسمت کا ولی ہے وہ مقدر کا دھنی ہے

اللہ کے محبوب ﷺ کا بیباک فدائی
صدیقؓ ہے، فاروقؓ ہے عثمانؓ ہے علیؓ ہے

مجھ پر بھی خدا کے لئے رحمت کی نظر ہو
آقا ترے دربار میں کس شے کی کمی ہے

یہ زندہ حقیقت کوئی جانے کہ نہ جانے
آفاق میں اسلام کی ہی جلوہ گری ہے

دیکھی جو فضا اس کی تو رضواں بھی پکارا
جنت جسے کہتے ہیں مدینے کی گلی ہے

کس فخر سے کہتے ہیں غلامان محمد ﷺ
اس شانِ غلامی پہ فدا شانِ شہی ہے

کچھ شک نہیں اسمیں کہ تیرے در کی گدائی
ارباب محبت کے لئے تاجوری ہے

ہرگز وہ زر و مال کی پرواہ نہیں کرتے
مستغنیٔ کونین ہیں دل جن کا غنی ہے

بخشا مجھے مولا نے سرورِ مئے طیبہ
ہر وقت میری آنکھوں میں مستی سی بھری ہے

تلوار...... جس کے زور سے اسلام پھیلا

تحریر...... راجا رشید محمود

اسلام دشمنوں کا یہ واویلا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا' اس لحاظ سے تو سراسر غلط ہے کہ حضور رسول اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں سر اڑانے والی کوئی تلوار تھی اور اس سے کفار کی گردنیں اڑتی نظر آتی رہیں ...... اور تلواریں سونتے مشرکین پر پل پڑتے رہے اور کشتوں کے پشتے لگاتے رہے۔ لیکن معنوی لحاظ سے اسلام دشمنوں کی یہ دُہائی کچھ زیادہ بے اصل بھی نہیں۔

اسلام کی وہ تلوار جس نے بُرائی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا' بداخلاقی کی قوتوں کو پسپا کر دیا' ظلم و استبداد کی طاقت کو شکست فاش دی' کفارہ و یہود کی سازشوں کو بے اثر بنا دیا' اس کی اساس حدید پر نہ تھی' میٹھی زبان پر تھی' اس کو چلانے والے ہاتھ ساونتوں کے نہ تھے' حکمت عملی کے تھے' انسان دوستی کے تھے' بردباری اور رواداری کے تھے' راہِ راست سے بھٹکے ہوؤں کے ساتھ اخلاص کے تھے۔

اسلام کی وہ تلوار جس کے نتائج کفر و ضلالت کی توقعات کے خلاف نکلے' جس سے دشمن آج تک خوف زدہ ہیں' دو دھاری بھی نہ تھی' ہشت پہلو تھی۔ ظاہریت پر نظر رکھنے والے ظلمت کے پرستاروں کی آنکھیں آج تک خیرہ ہیں کہ دشمنیاں اور ریشہ دوانیاں بے اثر کیسے رہیں' دس سال کے قلیل عرصے میں اسلام کی نورانیت نے روشنی کہاں کہاں تک پہنچا دی اور حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان کیسے جمع ہو گئے۔ کیسے کیسے جان کے دشمن جانثاری کی دستار زیب سر کیے نظر آنے لگے' ہجو کہنے والے نعت سرا کیونکر ہو گئے' جن کے آباء و اجداد بتوں کے آگے سر نہ اٹھاتے رہے' انہوں نے بت شکنی کیوں شعار کر لی۔

معاندین حق کے ”تھنک ٹینک“ چودہ سو برسوں سے اس کوشش میں ہیں کہ اس

تبدیلی کو اسلحے کی مرہونِ منت ثابت کریں اور نتیجہ یہ نکالیں کہ اب قیامت تک سلاحیانہ قوت اہلِ اسلام کو نہ بننے دیں، کوئی مسلم ملک ایسی قوت نہ بن پائے اتنا مضبوط و مستحکم نہ ہو سکے کہ اپنے دفاع کا اہل ہو۔ تمام تر طاقت، بدمعاشی، ساری صلاحیتیں اربابِ کفر میں جمع رہیں اور اہلِ اسلام کے خلاف استعمال ہوں۔

چونکہ ان سوچنے والوں کا قبلہ راست نہیں ہے، منفی سوچیں بہت دور تک ساتھ نہیں دیتیں اور مثبت نتائج نہیں لاسکتیں، اس لیے یقین ہے کہ عنقریب یہ سوچیں اپنی موت مر جائیں گی اور ایسے ''اربابِ فکر'' اپنے گلے میں باہیں ڈالے اور منہ لٹکائے حسرتوں پہ آنسو بہا رہے ہوں گے۔

دراصل اسلام کی وہ تلوار، وہ ہشت پہلو تلوار جس نے بُرائی کا سینہ پھاڑ ڈالا اور گمراہی کے جسد کی انتڑیاں چورا ہے میں بکھیر دیں، آج تک دشمنانِ حق کی آنکھ سے اوجھل رہی۔ اس تلوار نے اخلاق کی دھار سے وحشت و بربریت کا خاتمہ کیا، ظلم و عدوان کی کھیتیاں اجاڑ دیں، کلفت و ضلالت کا قلع قمع کر دیا، نفسانی خواہشات کے بت پاش پاش کر دیے۔ اخلاق کی تلوار مدت سے ترسے ہوئے لوگوں کے دلوں میں اتر گئی اور دیکھتے دیکھتے لوگ اس شمشیر تیز کا شکار ہو گئے۔

اسلام کی تلوار جو آج بھی سینہ کفر میں شگاف کیے ہوئے ہیں، حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے دستِ حکمت میں تھی، اور یثرب کو مدینۃ النبی (ﷺ) بنانے کے بعد حضور پُر نور ﷺ نے اس کا ایک پہلو یہ آزمایا کہ شہر کے مسلمان رہائشیوں کو اخوت کے مضبوط رشتے میں پرو دیا۔ اس تلوار کا ایک رُخ یہ ظاہر فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں بسنے والے یہودیوں سے معاہدہ کر لیا۔ یہ تلوار جو آج تک دشمنوں کو خون کے آنسو رُلا رہی ہے، اس کا ایک پہلو یہ بھی سامنے ہے کہ شہر کے آس پڑوس میں بسنے والے قبیلوں کے ساتھ امن کے معاہدے ہوئے۔ اس مقصد کے لیے سرکار ابد قرار ﷺ نے خود بھی سفر کیے اور کئی گروپ بھی بھیجے۔ اسلام کی اس تلوار نے دفاع کو مضبوط کرنے اور دشمنوں پر رعب جمانے کے

لیے صحابہ کے گشتی دستے بھی روانہ کیے۔

اور...... اسلام کی جس تلوار سے آج تک دشمن خائف ہیں کہ اس نے کفر کو اپنی زیادہ سے زیادہ رونمائی کرائی ہے، مارا کم سے کم ہے اور مارا صرف اس وقت ہے جب دشمن حملہ آور ہوا ہے۔ حملہ کرنے کے بعد اگر دشمن بھاگ لیا ہے، دوڑ پڑا ہے، تو اسلام کی تلوار نے اس کا عام طور پر پیچھا بھی نہیں کیا۔ اس پر بھی دنیائے کفر آج تک اس کے خوف سے لرزاں و ترساں ہے تو یہ صرف اس تلوار کی حکمت عملی ہے، کاٹ نہیں۔

حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدنی زندگی کے نام نہاد غزوات و سرایا کا ایک اجمالی اور سرسری جائزہ ہی اسلام کی تلوار کی حقیقت کو واشگاف کر دے گا اور چیخنے چلانے والوں کے بُزدلانہ جھوٹ کے پردے چاک کر دے گا۔ ''نام نہاد غزوات و سرایا'' میں نے یوں کہا ہے کہ قرآنِ مجید میں ہے: ''اَوْ كَانُوْا غُزًّى'' (۱) امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: الـغـزو کے معنی دشمن سے جنگ کرنے کے ارادے سے نکلنا ہیں۔ (۲) ''المعجم الاعظم'' میں ہے: الغزوۃ: ایک لڑائی، ایک حملہ، غارت گری یا حملے کے لیے چڑھائی (۳) ''المنجد'' میں بھی یہی معنیٰ درج ہے (۴) ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں: ''اسلامی تاریخ میں ''سریہ'' اس مہم کو کہتے ہیں کہ جس کی قیادت رسولِ کریم (ﷺ) نے اپنے کسی صحابی کو سونپ دی اور ''غزوہ'' اس مہم کو جس میں آپ بنفسِ نفیس سالارِ فوج کی حیثیت سے موجود ہوں۔'' (۵)

ایسے میں جو اسفار یا مہمات جنگ کے ارادے ہی سے نہیں کیے گئے یا کسی اور مقصد سے ہوئے، انہیں غزوات وسرایا میں شامل کرنا کسی طرح درست نہیں۔

پروفیسر محمد طاہر فاروقی کہتے ہیں کہ ''جو اسلامی دستے دوسرے مقاصد سے بھیجے گئے تھے، جن میں لڑائی بھڑائی کا نام و نشان بھی نہیں ملتا، ان کو بھی مؤرخین نے غزوات کے ذیل میں بیان کیا ہے جس سے غزوات کی تعداد بے سبب زیادہ نظر آنے لگی ہے......

جو شخص بھی دیانت داری سے تاریخ کا مطالعہ کرے گا، وہ اس بات کو دل سے قبول کرے گا

کہ جو دستے تبلیغ اسلام، تکمیل صلح، بت شکنی، رہزنوں کے تعاقب، جاسوسی، مخبری یا اس طرح کے دوسرے مقاصد کے لیے بھیجے گئے، ان کا شمار جنگوں میں کرنا سخت نا انصافی ہے (۶) انتہا یہ ہے کہ عمرے کے لیے کئے گئے سفر کو بھی، جو ایک معاہدۂ صلح پر منتج ہوا، یار لوگوں نے ''غزوۂ حدیبیہ'' لکھ دیا (۷) اور ہجرت مدینہ کو ''دیباچۂ جنگ'' قرار دیا گیا (۸)۔

حقیقت یہ ہے کہ خود ہماری ایسی تحریروں کے سامنے آنے سے اہلِ کفر کے منہ زیادہ کھلے ہیں اور انہوں نے یہ اُگلنا شعار کرایا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ صحیح صورتِ حال کیا ہے؟ ہم اس کا تجزیہ کرتے ہیں کہ کہاں دشمن نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ لڑنی پڑی۔ کن ''غزووں'' کی حقیقت یہ ہے کہ کفار نے حملہ کیا تو ان کے تعاقب میں جانا پڑا اور کیا انہیں ڈرا بھگا کر چھوڑ دیا گیا، یا ان کے مکمل جہنم رسید کرنے کی کوشش ہوئی۔ ہم دیکھیں گے کہ کون سے غزوے ایسے ہیں جو معاہدات کی خلاف ورزی کرنے اور اس طرح مشکل وقت میں پیٹھ میں چھرا گھونپنے والوں سے جنگ کی صورت میں ہیں۔ اگر کوئی چیلنج کرے تو اس کی تحدی کے جواب میں میدان میں اترنے کو دنیا کا کون سا قانون جارحیت کہتا ہے۔ جب آپ کو معلوم ہو کہ فلاں قبیلہ یا فلاں علاقے کے لوگ آپ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو ان کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے انہیں جالینا اور جنگ کے بجائے محض انہیں ڈرانے اور ان کی تیاریاں غتربود کرنے پر اکتفا کرنا ''غزوہ'' کیسے ٹھہرتا ہے۔ علاقے میں امن قائم کرنے اور دفاع مضبوط کرنے کے لیے مختلف قبیلوں کے پاس جانا اور معاہدے کرنا ''جنگ کرنے اور تلوار بدست ہونے کے الزام کو کیونکر تقویت دے سکتا ہے۔''

مدافعانہ جنگیں

اگر کوئی قوم یا ملک آپ پر حملہ آور ہو اور آپ مدافعت پر مجبور ہوں تو اس میں آپ کا قصور کہا بنتا ہے۔ حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی حیاتِ طیبہ کی تین اہم ترین جنگیں اسی صورت میں پیش آئیں۔ کافر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے، آپ ﷺ نے شہر

سے کافی دور جا کر یا شہر سے نکل کر یا شہر کے گرد خندق کھود کر، ان کے حملے کو روکنا چاہا۔ اس صورت کو غزوہ (جنگ کے ارادے سے سفر اختیار کرنا) کیا جواز رکھتا ہے؟

جنگ بدر کے بارے میں عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان شام سے آنے والا مکی تجارتی قافلہ لوٹنے نکلے تھے لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور کفار مکہ کے عظیم لشکر سے مقابلے کی نوبت آ گئی۔ ابواء، بواط اور ذوالعشیرہ کے ''غزووں'' کی غرض و غایت بھی یہی بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں چند سوالات ایسے ہیں جن کا جواب مشکل ہے:

الف۔ اس حقیقت کی کیا توجیہ ہے کہ حضور ﷺ کی سرکردگی میں ہونے والی ان کوششوں میں کبھی کوئی کامیابی کیوں نہیں ہوئی۔ جب بھی اسلامی لشکر پہنچا، تجارتی قافلہ نکل چکا ہوتا تھا۔

ب۔ کیا ایک نوزائیدہ مملکت جس کے سربراہ (ﷺ) نے دس سال کے قلیل عرصے میں اسے دنیا سے منوالیا، دو ماہ کی انتہائی کم مدت میں بار بار (تین بار) قافلوں کو لوٹنے کی مسلسل ناکامی برداشت کر سکتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کے نتیجے میں مملکت روز بروز مضبوط سے مضبوط تر کیسے ہوئی۔

ج۔ ان تین ناکام کوششوں کے بعد غزوۂ بدر کی اصل بھی اگر یہی مان لی جائے کہ مسلمان تجارتی قافلہ لوٹنے کے لیے نکلے تھے، تو اسے بہت بڑی غلطی نہیں سمجھا جائے۔ لیکن اس کے نتیجے میں ایک بڑے لاؤ لشکر کو شکست دینا کیسے ممکن ہوا۔

د۔ کیا یہ حقیقت آج تک تسلیم شدہ نہیں کہ تجارتی قافلے لوٹنے والے کمانڈو ایکشن کرتے ہیں، گھات میں بیٹھتے ہیں، قافلے کے کمزور حصے پر دفعتاً حملہ آور ہوتے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیابی یا ناکامی، ہر دو صورت میں، جلد از جلد غائب ہو جاتے ہیں۔

ہ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے کسی مقصد کے لیے باقاعدہ کھلے عام تیاری کی جائے اور تین سو سے زائد (قریباً سب کے سب) آدمیوں کو جمع کر کے' جن میں بچے بوڑھے سب شامل ہوں' شہر سے اسّی میل دور جا کر پڑاؤ کیا جائے۔

و۔ پھر اس بات کا کیا جواز ہے کہ جب تک مسلمان مدینہ منورہ سے بدر پہنچتے ہیں' تجارتی قافلے پر حملے یا متوقع حملے کی خبر مکہ مکرمہ پہنچ بھی جاتی ہے' وہاں سامانِ حرب بھی اکٹھا ہو جاتا ہے' ایک ہزار کا لشکر (سامانِ حرب سے پوری طرح لیس) بھی تیار کر لیا جاتا ہے اور تین سو کلومیٹر دور بدر کے مقام پر آ بھی جاتا ہے۔

بریگیڈیئر گلزار احمد لکھتے ہیں: ''اصل واقعات یوں ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) جب یہ اطلاع ملی کہ مکی لشکر مکہ سے روانہ ہو چکا ہے تو آپ نے اُمتِ مسلمہ کا اجلاسِ عا[م] منعقد فرمایا...... اِس موقع پر حضور (ﷺ) کا پوری ملت کو جمع کرنے اور انکے سا[منے] دفاعِ ملک و ملت کے مسئلہ کو پیش کرنے سے اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔'' (۹)

جنگ احد کے بارے میں دنیا جانتی ہے کہ یہ سراسر مدافعانہ جنگ تھی جس میں صرف مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کفار کا مقابلہ کیا گیا' کسی سفر کی کوئی صورت نہ تھی۔

پھر کفار نے اِدھر اُدھر سے سب قبیلے مملکت اسلامیہ کے خلاف جمع کر لیے یہودیوں کی سازشیں ان کی پشت پناہ تھیں' وہ سب مل کر دس بارہ ہزار یا اس سے زائد لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھ دوڑے (۱۰) ان کے مقابلے کے لیے شہر سے باہر نکل آنا کیا تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانے کی کوشش ہے؟ اس جنگِ احزاب (جنگِ خندق) میں کھلم کھلا لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ و السلام کی دعا کی برکت سے کافروں کو بھگا دیا۔ مجاہدین کے تلوار سونتنے کا موقع ہی نہ آیا۔

حملہ آوروں کا تعاقب

کافروں نے طے کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے چلے جانے کے باوجود آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے' اس لیے وہ چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آتے تھے۔ کرز بن جابر بن حسیل فہری نے کچھ آدمیوں کے ساتھ' مدینہ طیبہ سے تین میل دور وادیٔ عقیق میں موجود چراگاہ پر حملہ کر دیا' نگران حضرت ذر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا' درخت کاٹے اور جلائے اور جانور ہانک کر لے گئے۔ ہجرت کے بعد یہ کافروں کی طرف سے پہلی شرارت تھی۔ حضور انور ﷺ نے ستر صحابہ کے ساتھ ان کا پیچھا کیا لیکن صرف جانور چھڑا لیے' کسی کو قتل نہیں کیا۔ اسے غزوۂ سفوان یا بدر اولیٰ کہتے ہیں۔ صرف ڈھور ڈنگر چھڑا لانا غزوہ بھی بن گیا اور تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانا بھی۔

بدر کے معرکے میں کافروں کی جو بھد ہوئی' اس کا بدلہ لینے کے لیے ابوسفیان نے دو سو اونٹ سواروں کے ساتھ مدینے کے نزدیک ایک مقام عریض پر شب خون کی صورت میں حملہ کر دیا۔ ان کا تعاقب کیا گیا تو وہ اپنے کھانے کے لیے جو ستّو ساتھ لیے پھرتے ہیں' پھینک کر جان بچا کر بھاگ گئے۔ صرف حملہ آوروں کو دوڑا دیا گیا' مارا وارا کسی کو نہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ ''غزوۂ سویق'' بھی تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانے کا طعنہ بن گیا۔ العیاذ باللہ!

معرکۂ اُحد کے بعد حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ کے حکم سے ستر صحابہ نے کفار حملہ آوروں کا پیچھا کیا مگر وہ ہاتھ نہ آئے' صحابہ رات کو واپس آ گئے۔ دوسرے دن سرکارِ والا تبار ﷺ خود صحابہ کے ساتھ حمراء الاسد تک گئے لیکن ابوسفیان یہ خبر پا کر اپنے لشکر کو تیزی سے مکہ مکرمہ لے گیا۔ لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

ذی قرد نامی چشمے پر حضور پُر نور ﷺ کی اونٹنیاں تھیں۔ کافروں نے عبد الرحمن بن عیینہ فزاری کی سرکردگی میں اس چراگاہ پر حملہ کیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا کیا اور مدد کے لیے اہلِ مدینہ کو پکارا۔ ڈاکو بھاگے' اونٹنیاں بھی چھوڑ گئے اور

بھاگتے ہوئے ان کی چادریں بھی گرتی گئیں۔حضورِ انور ﷺ بھی پہنچ گئے لیکن کافر بھگوڑے ہو چکے تھے۔سلمہ نے پیچھا کرنے کی اجازت طلب کی مگر اجازت نہ دی گئی (۱۱) حملہ آوروں' ڈاکوؤں کو کچھ نہیں کہا گیا' صرف اپنے جانور چھڑائے گئے' ان کا تعاقب تک نہیں کیا گیا' مگر اسلام کے تلوار کے زور سے پھیلنے کا الزام بہرحال موجود ہے۔

قاتلوں کا تعاقب

رجیع کے مقام پر تبلیغ کے لیے گئے ہوئے دس صحابہ کو دھوکے سے گھیر کر شہید کر دیا گیا۔حضرت عاصم بن ثابتؓ اور دوسرے نو صحابہ پر کیے گئے ظلم کا بدلہ لینے حضورِ پُر نور ﷺ خود نکلے۔بنولحیان کو اطلاع ملی تو قاتل بھاگ کر پہاڑوں پر جا چھپے۔حضور ﷺ نے اِدھر اُدھر دستے بھی بھیجے مگر وہ ہاتھ نہ آئے اور آپ واپس لوٹ آئے۔مبلغین کو کسی وجہ کے بغیر شہید کر دیا گیا۔حضور نے دو سو صحابہ کے ساتھ قاتلوں کا پیچھا کیا' وہ ہاتھ نہ آئے مگر اسلام بہرحال تلوار کے بل پر پھیلا۔

معاہدہ شکنی پر سزا

آقا حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی یہاں کے رہنے والے تینوں یہودی قبیلوں (بنونضیر' بنو قریظہ اور بنو قینقاع) سے معاہدہ کر لیا تھا کہ یہودیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہے گی' مسلمان ان کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور جنگ ہوئی تو یہودی مسلمانوں کی مدد کریں گے' وغیرہ۔بدر کے واقعے کے بعد بنو قینقاع نے معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دیا اور کئی اور حرکتیں ایسی کیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے ساتھ ان کے گھروں کا محاصرہ کیا اور پھر انہیں مدینہ چھوڑنے کا حکم جاری فرمایا۔

بنو قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل سے کفار کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے لیکن واقعہ رجیع میں دس مبلغ صحابہ کو' بیئر معونہ میں ستر قاریوں کو شہید کرنے سے اسلام دشمنوں کے شکستہ حوصلوں کو سہارا ملا اور یہودیوں کو جرأت ہوتی اور وہ (نعوذ باللہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کی سازشوں میں مصروف ہو گئے۔بنونضیر کی ایسی سازش

پکڑی گئی تو انہیں نوٹس دیا گیا کہ وہ دس دن کے اندر مدینے سے نکل جائیں اور انہیں تمام ساز و سامان ساتھ کے جانے کی اجازت دے کر شہر بدر کر دیا گیا۔

بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد بنو قریظہ نے پھر معاہدہ کیا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے لیکن جنگ خندق کے موقع پر معاہدے کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی۔اس معاہدہ شکن قبیلے کا ۲۵ دن محاصرہ کیا گیا۔آخر سعد بن معاذؓ ثالث مقرر ہوئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ امن کے اس دشمن قبیلے کے تمام مرد قتل کر دیے جائیں۔اس فیصلے پر عمل ہوا (۱۲)۔

حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق کسی ایک فریق کے حلیف قبائل کے ساتھ دوسرا فریق جنگ نہیں کر سکتا تھا۔دو سال تو اس پر عمل ہوا لیکن ۸ ہجری میں مسلمانوں کے ساتھی قبیلے بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی لڑائی میں کفار مکہ نے مدد کی۔حضور ﷺ نے اہلِ مکہ کو پیغام بھیجا کہ بنوخزاعہ کا خون بہا دو اور بنوبکر کی مدد سے ہاتھ اُٹھا لو۔کفار مکہ نے اس پر معاہدۂ حدیبیہ منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔اس پر حضور فخر موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ نے تیاری کی اور مکہ پر حملہ کر دیا۔اس فوج کشی کے نتیجے میں جھڑپیں تو ہوئیں' کھلی جنگ نہیں ہوئی اور فتح کے بعد سرکار والا تبار ﷺ نے جس طرح ''لا تثریب علیکم الیوم'' کا اعلانِ عفو عام فرمایا اور جس عجز و انکسار کی کیفیت میں مکہ میں داخل ہوئے' وہ اشاعتِ اسلام کو تلوار کے تابع کرنے والوں کے منہ پر تھپڑ کی طرح ہے۔

چیلنج کے جواب میں

اُحد سے واپسی پر ابوسفیان نے للکار کر کہا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر بدھ پڑے گا۔حضور ﷺ پندرہ سو صحابۂ کرام کے ساتھ بدر پہنچے مگر ابوسفیان مرّ الظہران کے علاقے مجنہ پہنچ کر واپس چلا گیا۔حضور ﷺ نے آٹھ دن انتظار کیا اور واپس مدینے تشریف لے گئے۔بدرِ موعد کا یہ واقعہ بھی اسلام دشمنوں کی الزام تراشی کو روک نہیں سکا۔

جب دشمن کو حملے کی تیاری مکمل کرنے سے پہلے جا لیا گیا

مدینہ منورہ سے کوئی اسی میل دور قرقرۃ الکُدر میں بنوسلیم اور بنوغطفان مدینے پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے کہ آپ ﷺ دو سو صحابہ کے ساتھ نکلے۔ وہ مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر بھاگ گئے۔ (یہ غزوۂ بنی سلیم یا قرقرۃ الکدر کہلاتا ہے)۔

نجد میں غطفان کے علاقے میں ذی امر نامی چشمے پر بنومحارب اور بنوثعلبہ مدینے میں لوٹ مار کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ بھی مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر بھاگ گئے۔ ایک شخص ملا جو حضور ﷺ کے سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا (یہ غزوہ ذی امر/ غطفان/ انمار کہلاتا ہے)۔

پچاس ساٹھ میل دور فرع کے نزدیک بحران کے مقام پر بنوسلیم اسلام کی مخالفت میں جمع ہو رہے تھے۔ انہیں بھگانے کا اہتمام کیا گیا تو وہ بھی جان بچا کر بھاگ گئے (یہ غزوہ بحران یا غزوہ بنوسلیم ہے)۔

بنونضیر سے فارغ ہونے پر اطلاع ملی کہ بنوغطفان کے دو قبیلے بنومحارب اور بنوثعلبہ بدوؤں کو مسلمانوں سے لڑائی کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ یہاں بھی اسلامی دستے کی آمد کی خبر پا کر شرارتی کافر ادھر اُدھر ہو گئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی (بنوغزوۂ نجد تھا)۔

بنومصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ منورہ پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ بریدہ بن خُصیب اسلمی رضی اللہ عنہما کو تصدیق کے لیے بھیجا گیا۔ اطلاع کی تصدیق ہو گئی تو حضور پاک ﷺ صحابہ کے ساتھ وہاں گئے تو وہ لوگ بھاگ گئے۔ البتہ مُریسیع کے رہنے والوں نے لڑائی کی۔ دس کافر مارے گئے' ایک مومن شہید ہوا (یہ غزوہ بنومصطلق یا غزوہ مُریسیع تھا)۔

خیبر کے یہودی بنوفزارہ' بنوکنانہ اور ہودہ بن قیس کے ساتھ مل کر اسلام کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا گیا کہ وہ شرارت سے باز آ جائیں اور صلح کا معاہدہ کر لیں لیکن سیدھی راہ پر نہیں آئے۔ حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لے کر گئے۔ خیبر کے آٹھ قلعوں میں سے پہلے ناعم' پھر صعب فتح ہوا۔ پھر قلعہ زبیر اور نزار اور دوسری طرف کے تین قلعے بھی فتح ہوئے۔ یہودیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔

مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع وادیٔ حنین میں ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں نے مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاری کی۔ خبر کی تصدیق کے بعد حضور اکرم ﷺ بارہ ہزار صحابہ کے ساتھ حنین پہنچے۔ کافروں کو شکست ہوئی اور ہزاروں قید ہوئے۔

حنین میں کافروں کی فوج شکست کھا کر طائف میں پناہ گزین ہوئی اور اس نے وہاں جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اسلامی لشکر نے کئی دن ان کا محاصرہ کیا لیکن بعد میں محاصرہ چھوڑ کر معجرانہ آ گئے۔

شام کے بیوپاریوں نے بتایا کہ رومیوں کا ایک بڑا لشکر بلقاء تک پہنچ گیا ہے' اس میں بہت سے عرب قبیلے بھی شامل ہو گئے ہیں' ہِرَقل نے بھی چالیس ہزار فوجی بھیجے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک پہنچے تو معلوم ہوا کہ خبر درست نہ تھی۔ چنانچہ جنگ نہیں ہوئی۔

خیبر کی فتح کے بعد حضور ﷺ وادی القریٰ تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے تیروں سے خیر مقدم کیا۔ دوسرے دن دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آخر یہودیوں کو شکست ہوئی۔

قبیلہ انمار یا بنوغطفان کے دو شاخوں کے اکٹھ کی خبر سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کے ساتھ نجد کے علاقے کا رُخ کیا۔ یہاں لڑائی نہیں ہوئی' البتہ سر اُٹھانے کی کوشش کرنے والے ڈر گئے۔

اہل تحقیق دیکھ لیں کہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف قبیلوں کے خلاف بھی تلوار اس وقت تک استعمال نہیں کی گئی جب تک انہوں نے پہل نہیں کر دی۔ جہاں ایسے شرپسند ادھر اُدھر ہو گئے ہیں' اسی کو کافی سمجھا گیا۔ ہے کہ وہ ڈر گئے ہیں۔ جہاں جنگ کے سوا چارہ نہیں نظر آیا' وہاں بھی اسلام کی دعوت دی جاتی رہی۔ مقصد یہی تھا کہ امن قائم رہے' جنگ

کی توبت نہ آئے اور تلواروں کی جھنکاروں سے بچا جا سکے۔ پھر بھی اگر اسلام تلوار ہی کے زور پر پھیلا ہے تو کیا کہا جا سکتا ہے۔

حضورﷺ کے سفارتی سفر

ابواء' بواط' ذوالعشیرہ اور بنو غفار.......... یہ سب حضورﷺ کے سفارتی اور معاہداتی سفر تھے لیکن مؤرخین نے انہیں بھی غزوات میں شمار کر کے ان کی تعداد میں معتد بہ اضافہ کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابواء کا سفر بنو حمزہ کے ساتھ' بواط کا سفر وہاں کے لوگوں کے ساتھ' ذوالعشیرہ کا سفر بنو مدلج کے ساتھ اور بنو غفار کا سفر بنو غفار اور بنو اسلم کے ساتھ معاہدے کے لیے کیا گیا۔ نہ اس سفر کی غایت جنگ تھی' نہ لڑائی ہوئی۔

سرایا

سریہ حمزہ' سریہ سیف البحر' سریہ رابغ' سریہ خوار' سریہ ابان بن سعید محض گشتی دستوں کا مارچ تھا۔ رجیع اور بیر معونہ کے واقعات تو اس لیے پیش آئے کہ ان میں ستر اور دس مبلغ صحابہ کو شہید کر دیا گیا یہ جنگی مہمات کیسے بن گئیں؟ سریہ عبد اللہ بن رواحہ صلح کا پیغام لے کر جانے والوں کو شہید کرنے کی کوشش کا شاخسانہ تھا۔ حسمٰی کی مہم ڈاکوؤں پر حملہ کی صورت تھی۔ عُرینہ کی مہم مرتد ڈاکوؤں کا تعاقب تھا۔ سریہ جموم حملے کا مزا چکھانے کی خاطر ہوا۔ شوال ۸ ہجری میں بنو خزیمہ اور بنو سلیم کو اسلام کی دعوت دینے کے مقصد سے حضرت خالد بن ولیدؓ کو کچھ صحابہ کے ساتھ بھیجا گیا تو ایک غلط فہمی کی بنا پر لڑائی ہوئی اور کچھ کافر قتل ہوئے۔ حضورﷺ اس پر حضرت خالدؓ سے کچھ عرصہ ناراض رہے۔ حضرت علیؓ کو تبلیغ کے لیے یمن بھیجا گیا تو کافروں نے اسلامی دستے پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس پر لڑائی چھڑ گئی۔ سریہ نخلہ خبر رسانی کے لیے بھیجی گئی مہم کو کہا جا رہا ہے۔ زید بن حارثہؓ کی قیادت میں جانے والے تجارتی قافلے پر قبیلہ فزارہ کے ڈاکوؤں نے حملہ کیا' قافلہ لوٹا' زیدؓ زخمی حالت میں مدینہ پہنچے اسے سریہ وادی القریٰ کا نام دیا گیا۔ سریہ عیینہ اور مہم بنو تمیم جزیہ نہ دینے والوں کے خلاف مہمیں تھیں۔ قرطاء کی مہم' سریہ غمر اور طرف کی مہم مظلوموں کا بدلہ

لینے کے لیے تشکیل دی گئیں۔ عزیٰ' سواع اور منات کی تباہی کے لیے جو مہمیں بھیجی گئیں' ان کا مقصد بُت پرستی کا قلع قمع تھا۔ ابی رافع یہودی' عصما' ابو عفک اور کعب بن اشرف کے قتل کی مہمات کا مقصد توہین رسول کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کرنے والوں کا قتل تھا۔

وہ سرایا جن میں دشمن کو تیاری مکمل نہ کرنے دی گئی' یہ ہیں: مہم قطن' مہم عرنہ سریہ ذوالقصہ (محمد بن مسلمہ)۔ سریہ ذوالقصہ (ابو عبیدہ)۔ مہم فدک۔ مہم تربہ۔ مہم بنی کلاب۔ میفعہ کی مہم۔ الجناب کی مہم۔ کدید کی مہم۔ سریہ شجاع بن ابی وہب۔ مہم ذات السلاسل۔ سریہ غابہ۔ خُضرہ کی مہم۔ سریہ خبط۔ سریہ قطبہ بن عامر۔ سریہ علقمہ بن مجزز۔ سریہ اُسامہ بن زید۔

حالات کے اس تجزیاتی مطالعے سے اسلام دشمنوں کے اس پروپیگنڈے کی اصلیت سامنے آ جاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ جن مہموں میں حضور پُر نورﷺ بنفسِ نفیس شریک ہوئے' ان میں بھی اور جو مہمیں آپ نے بھیجیں' ان میں بھی آخر وقت تک یہی راہ اختیار کی گئی کہ تلوار نہ اٹھے' خون نہ بہے۔ جہاں حملے کی تیاری کی اطلاعات ملیں' وہاں بھی انہیں ڈرانے پر اکتفا کیا گیا۔ حملہ آوروں تک کا پیچھا نہ کیا گیا۔ البتہ معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف جب انتہائی صورتِ حال سامنے آئی تو تلوار اس لیے اٹھائی گئی کہ امن اور سلامتی کی راہیں معاہدوں کی خلاف ورزی ہی سے مسدود کی جاتی ہیں۔ ورنہ بنو قینقاع اور بنو نضیر تک کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں پر قتل و غارت کے بجائے جلا وطنی کے حکم پر اکتفا کیا گیا۔ دنیا کا کوئی مذہب' دنیا کی کوئی قوم' دنیا کا کوئی ملک اتنی روا داری اور بُردباری اختیار نہیں کرتا اور آج کل تو دنیا کا بدمعاشِ اعظم امریکہ اور اس کے حواری اسلام کے خلاف ایسی زہریلی بے پر کی اڑانے میں لگے ہوئے ہیں جو افغانستان' عراق اور فلسطین کے مظلوم عوام کو شبانہ روز نہ تیغ کرنے میں مصروف ہیں .... ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اسلام کو پھیلانے والی تلوار حسنِ خُلق کی تھی' عفو و درگزر کی تھی' احسان و مروت کی تھی۔ ایسی تلوار کبھی نہ تھی جو آج بموں اور راکٹوں کی صورت میں مظلوم قوموں پر چلائی جا رہی ہے۔

حواشی

۱۔ آلِ عمران۔۳: ۱۵۶۔ ''یا وہ جہاد کر رہے ہوں'' ''یا وہ جہاد کو گئے''۔

۲۔ راغب اصفہانی، امام۔ مفردات القرآن۔ ترجمہ و حواشی محمد عبدہٗ فیروز پوری۔ اہل حدیث اکادمی، لاہور۔ جنوری ۱۹۷۱ء۔ ص ۷۵۳۔

۳۔ حسن الاعظمی، محمد۔ المعجم الاعظم۔ الجزء الثالث۔ فرنٹیئر پبلشنگ کمپنی، لاہور۔ س ن۔ ص ۲۰۱۴۔

۴۔ المنجد (عربی اردو) مترجمین سعد حسن خاں یوسفی و دیگر۔ دارالاشاعت، کراچی۔ جولائی ۱۹۷۵ء۔ ص ۷۰۸۔

۵۔ نقوش لاہور۔ رسول نمبر۔ جلد ۵۔ ص ۵۲۶ (مقالہ ''عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت'' از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی)۔

۶۔ نقوش۔ رسول نمبر۔ جلد ۴۔ ص ۳۱۹ (مضمون ''غزواتِ نبوی'' از محمد طاہر فاروقی)۔

۷۔ محمد صدیق قریشی، پروفیسر۔ رسولِ اکرم کا نظامِ جاسوسی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ اشاعت اوّل ۱۹۹۰ء۔ ص ۴۶۔

۸۔ عبدالباری۔ رسولِ کریم کی جنگی اسکیم۔ الفیصل ناشران، لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۳۔

۹۔ گلزار احمد، بریگیڈیئر۔ غزواتِ رسول اللہ۔ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ اشاعت اوّل۔ مئی ۱۹۸۲ء۔ ص ۲۳۹، ۲۴۰۔

۱۰۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۵، ۳۵۶ پر مضمون ''غزواتِ خاتم الرسل'' میں ہے کہ ''اس جنگ کے لیے جزیرۃ العرب میں مکہ کے پھیلے ہوئے حلیفوں کا اجتماع بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک بتایا گیا ہے۔ ان میں قریش مکہ، بنواحبہ، بنو مُرّہ، بنو فزارہ، بنو سلیم، بنو غطفان، خیبر کے یہودی قبائل، بنو سعد، بنو کنانہ، بنو تہامہ سب جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔''

۱۱۔ مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب غزوۃ ذی قردٍ وغیرھا۔

۱۲۔ مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب۔ احلاء الیھودِ من الحجاز۔

اسلامی کتب کے مطالعے سے میرے ذہن میں اسلام کی روشن کرنیں داخل ہوئیں

نومسلم امریکی خاتون عائشہ خان سے انٹرویو

ملاقات............ملک احمد سرور

اعلیٰ تعلیم یافتہ ۲۵ سالہ عائشہ خان کا تعلق امریکی ریاست فلوریڈا سے ۱۰۸۰ کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ڈومینکن ریپبلک کے ایک کیتھولک گھرانے سے ہے۔ خوب مطالعہ و تحقیق کے بعد ۱۹ ستمبر ۲۰۰۲ء کو انہوں نے عیسائیت کو خیر باد کہہ دیا اور سلام کی آغوش میں آ گئیں۔ ۲۸ دسمبر ۲۰۰۵ء کو ڈاکٹر عمر خان سے شادی کر کے وہ مدیر اعلیٰ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ ڈاکٹر عبدالرؤف خان کی بہو بن گئیں۔ ان کے قبولِ اسلام کی چند باتیں ڈاکٹر صاحب کی زبانی معلوم ہوئیں تو خواہش پیدا ہوئی کہ کیوں نہ اسلام کی طرف ان کے سفر کی داستان کی تفصیل انہی سے براہِ راست سنی جائے۔ میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار ڈاکٹر صاحب سے کیا۔ انہوں نے اپنی بہو سے بات کی اور یوں ۲۰ مئی ۲۰۰۶ء کو ان سے جو تفصیلی گفتگو ہوئی وہ سوال و جواب کی صورت میں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: میں چاہوں گا کہ سب سے پہلے آپ اپنا خاندانی تعارف کروادیں؟

جواب: میرا تعلق ڈومینکن جمہوریہ کے ایک کیتھولک گھرانے سے تھا۔ یہ ملک وینزویلا اور کولمبیا کے شمال میں واقع ہے اور جزیرہ ہسپانولا کے دو تہائی حصے پر مشتمل ہے۔ کرسٹوفر کولمبس ۶ دسمبر ۱۴۹۲ء کو اس جزیرہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوا اور بعد میں اس نے ایک نئی دنیا دریافت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ ڈومینکن جمہوریہ ایک ایسا ملک ہے جس پر ماضی میں کئی دیگر ممالک کا قبضہ ہوا اور آزادی کے بعد بھی انقلابات کی زد میں رہا۔ ۱۹۷۰ء تک اس کے ۲۰ آئین تبدیل ہو چکے تھے۔ ۴۸۷۳۴ مربع کلومیٹر اس کا رقبہ اور تقریباً ۹۰ لاکھ اس کی آبادی ہے۔ ۹۵ فیصد لوگ رومن کیتھولک اور ۵ فیصد

پروٹیسٹنٹ ہیں۔ ہسپانوی زبان (Spanish) بولی جاتی ہے۔ میرے دادا ہیگوے (Higuey) کے علاقہ میں ایک لینڈ لارڈ تھے۔ میرے والد دارالحکومت سانتو ڈومنگو (Santo Domingo) تعلیم کے لیے آئے تو اسی شہر میں آباد ہو گئے۔ وہ ایک وکیل ہیں اور وکیلوں کی یونین کے سیکرٹری رہ چکے ہیں' ڈومینکن میں یہ ایک بااثر عہدہ ہے۔ اس وقت ملک کے جو قائم مقام صدر ہیں' وہ ان کے کلاس فیلو ہیں۔ آج کل میرے والد بزنس کر رہے ہیں۔ میری والدہ نے بزنس میں B.B.A کیا ہوا ہے' بزنس میں والد کا ہاتھ بھی بٹاتی ہیں مگر زیادہ وقت وہ گھریلو امور ہی کو دیتی ہیں' اس لیے انہیں گھریلو عورت (House Wife) ہی کہنا بہتر ہے۔ میرے والد کے چچا زاد یعنی رشتے میں میرے چچا سانتو ڈومنگو کے سب سے بڑے گرجے کے پادری ہیں۔ میرے دادا بھی نہایت مذہبی آدمی تھے۔ میرا ایک بھائی اور ایک بہن ہے جن کی عمریں بتدریج ۲۴ اور ۲۱ سال ہیں۔

سوال: اپنے تعلیمی سفر کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: میں ۳ جنوری ۱۹۸۱ء کو سانتو ڈومنگو میں پیدا ہوئی۔ والدین نے میرا نام Tkis Osmilda Caprio Santana رکھا۔ یہ ایک ہسپانوی نام ہے۔ انٹرمیڈیٹ تک میں نے کیتھولک انسٹی ٹیوٹ آف سینٹ جان میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کیتھولک یونیورسٹی سے B.B.A کیا۔ سنٹر آف اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس سے اکاؤنٹنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد میں نے ایک ہسپانوی انشورنس کمپنی میں کام کیا۔ ایک کمیونیکیشن کمپنی میں بھی کچھ عرصہ گزارا۔ آخر میں بطور اکاؤنٹنٹ ایک ملٹی نیشنل کمپنی پاوروں میں ملازمت کر لی۔ مجموعی طور پر میں نے تینوں جگہ تین سال تک کام کیا۔

سوال: اسلام قبول کرنے سے قبل آپ کا مذہبی رجحان کیا تھا؟

جواب: میری پرورش کسی حد تک مذہبی ماحول میں ہوئی کیونکہ اردگرد سب لوگ

سی حد تک مذہبی رجحان ہی رکھتے تھے۔ بچپن ہی سے میں فیملی کے ہمراہ ہر اتوار چرچ لازماً جایا کرتی تھی۔ چھوٹی سی عمر میں مجھے قطعاً شعور نہیں تھا کہ لوگ چرچ کیوں جاتے ہیں اور چرچ سروس کیا ہوتی ہے۔ والدین لے جاتے تھے' اس لیے چلی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ چرچ کے ماحول کا اثر ہوا اور پھر میں نے گروپ کی صورت میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بھی جانا شروع کر دیا۔ میرے بہن بھائیوں کو تو چرچ قطعاً پسند نہیں تھا۔ ابو امی چرچ ضرور جاتے تھے مگر وہ بھی کوئی کٹر قسم کے مذہبی نہ تھے۔ جب ذہن شعور کی عمر کو پہنچا' اس نے اردگرد کے ماحول' چیزوں اور ان کی ماہیت کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو مذہب کے بارے میں بھی ذہن میں سوالات ابھرنے لگے۔ چرچ میں یسوع مسیح اور مریم مقدس کے بت بھی ہوتے تھے۔ ان کے بارے میں بھی ذہن میں کئی سوال پیدا ہوئے۔ پھر عقیدۂ تثلیث' کفارہ ونجات اور پیدائشی گناہ گار ہونے کا عقیدہ وغیرہ بھی میری سمجھ میں نہ آتے تھے۔ چونکہ شہر میں ہر طرف کیتھولک ہی تھے' والدین' سہیلیاں اور دیگر احباب سب سمجھ میں نہ آنے والے ان عقائد پر ایمان رکھتے تھے' لہٰذا ذہنی طور پر مطمئن نہ ہونے اور ذہن میں ابھرنے والے سوالات کے باوجود میں بھی ان عقائد پر ایمان رکھتی تھی۔

سوال: اسلام سے تعارف کیسے ہوا؟

جواب: سکول میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ اسلام بھی ایک مذہب ہے اور مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ ڈومینکن میں لوگ اسلام کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ بعض لوگوں کے خیال میں یہ کسی ملک کا نام ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ میں کیتھولک عقائد سے مطمئن نہ تھی۔ اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے میں نے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ میری ایک آنٹی کا مذہبی تعلق ''Jehovah's Witness'' فرقہ سے تھا۔ اس میں اس قدر گانا بجانا ہوتا ہے

کہ مجھے اس کے عقائد بھی پسند نہ آئے۔ ہمارے ملک میں لبنانی بہت زیادہ ہیں۔ میرے ایک انکل بھی لبنانی عیسائی تھے۔ عربی بھی کافی ہیں۔ عرب ممالک اور لبنان سے آنے والوں کی اولاد عیسائی بن چکی ہے‘ اس لیے اسلام کے بارے میں معلومات کا حصول ایک مشکل کام ہے۔ میڈیا میں اسلام ’دہشت گردی‘ ’’قتل و غارت گری‘‘ اور ’’سفاکی‘‘ کا دوسرا نام ہے۔ مغربی ممالک کے لوگ مسلمانوں کو انسان نما خونخوار درندے سمجھتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ یہ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں اور غیر مسلموں کو قتل کر دیتے ہیں۔ مغربی میڈیا نے اسلام کے بارے میں نہایت ہی بُرا تصور دیا ہوا ہے۔ میں چونکہ کیتھولک اور دیگر عیسائی فرقوں کے عقائد سے مطمئن نہ تھی اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسلام کے بارے میں تحقیق کی جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ اس کے ماننے والے دہشت گرد بن کر انسانوں کا خون کیوں بہاتے ہیں۔ میں نے انٹرنیٹ سے معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنے خدا کو ’’اللہ‘‘ کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ معلومات کے شوق میں‘ میں جوں جوں آگے بڑھتی گئی‘ اسلام میں میری دلچسپی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اسلام کے بارے میں جتنی بھی معلومات حاصل ہوئیں‘ اتفاق سے میرا ذہن ان سے ہم آہنگ تھا۔

ہندوؤں کی ایک تقریب میں میری ملاقات ایک پاکستانی نوجوان عمر خان سے ہوئی۔ وہ یہاں UTESA میں میڈیکل کی تعلیم (M.D) حاصل کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے میری شکل و شباہت سے پاکستانی لڑکی سمجھا اور میرا حال پوچھنے میرے پاس آئے۔ ان سے گفتگو کر کے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہیں۔ میں نے اسلام کے بارے میں بعض سوال پوچھنے چاہے تو ان کا رویہ کوئی زیادہ حوصلہ افزا نہ تھا۔ انہوں نے کہا: ’’اسلام کے بارے میں اپنے سوالوں کے جواب مسجد میں جا کر مولوی صاحب سے پوچھو‘ مسجد النور کوئی زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر

وہاں سے جواب نہ ملیں تو میرے والد صاحب آنے والے ہیں‘ ان کا اسلامی مطالعہ کافی وسیع ہے‘ ان سے سوال پوچھ لینا۔‘‘ انہوں نے مجھے مسجد النور کا پتا بتا دیا۔ میں ایک روز اپنی بہن کے ہمراہ مسجد میں پہنچ گئی۔ پہلے روز میں نے خوب مشاہدہ کیا۔ اس مشاہدے سے مجھ پر ایک عجیب وغربت کیفیت طاری ہوگئی‘ میں فرش پر بیٹھ گئی اور بے اختیار رونے لگی۔ کئی مسلمان عورتیں تیزی سے میرے پاس آئیں اور ہمدردی سے رونے کی وجہ پوچھنے لگیں۔ رونے کی وجہ تو میں خود بھی نہ جانتی تھی‘ اس لیے انہیں کیا بتاتی۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ مسجد کے دورہ سے میرے اندر ایک تبدیلی آنا شروع ہوگئی ہے۔ میں نے مسجد میں ہمدردی‘ اخوت اور اپنائیت کو محسوس کیا‘ مجھے کسی قسم کی دہشت گردی کا کوئی نشان وہاں نظر نہ آیا۔ مسلمان عورتیں اسلامی انتہا کی ہمدرد اور ملنسار تھیں‘ میں نے ہر ہفتہ کو وہاں جانا شروع کر دیا۔ وہاں شیلف میں اسلامی کتب رکھی ہوتی تھیں‘ میں پسند کی کتاب اٹھاتی اور بیٹھ کر پڑھتی رہتی۔ میں لوگوں سے بہت پہلے وہاں پہنچ جاتی تاکہ اکیلی بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ مطالعہ کر سکوں۔ گھر بھی کتاب لے آتی۔ مطالعہ اور معلومات بڑھتی جا رہی تھیں۔ مجھے ہسپانوی زبان میں پڑھنے کے لیے قرآن مجید دیتے ہوئے اس کے پڑھنے کے آداب بھی بتائے گئے۔

اسلامی کتب کے مطالعے سے میرے ذہن میں اسلام کی روشنی کی کرنیں تو داخل ہو ہی چکی تھیں‘ قرآن مجید کے مطالعہ نے تو ذہن کو مکمل منور کر دیا۔ اس نے مجھے عجیب روحانی سرور بخشا۔ اس کی تعلیمات واضح‘ سادہ اور فطری ہیں۔ آپ کے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں یہ اس کے جواب دیتا چلا جاتا ہے۔ قاری حیران رہ جاتا ہے کہ اس کے سوال کا جواب اس کے اندر کیسے آگیا۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر انسان ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہو اور وہ تعصبات سے خالی ذہن کے ساتھ قرآن مجید کا مطالعہ کرے تو قرآن مجید اسے راہ مستقیم پر لے آتا ہے۔ قرآن کا

استدلال اور اسلوب مجھے بھی اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ توحید، رسالت، جزا و سزا اور آخرت کا صحیح تصور میری سمجھ میں آ گیا۔ قرآن دل و دماغ کو تسخیر کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

قرآن مجید میں نماز پر بہت زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس کو باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے اس مذہب کو قبول کیا تو مجھے بھی یہ نماز پڑھنا پڑے گی۔ چونکہ اسلام ہی سچا مذہب ہے، اسے قبول کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں، اس لیے میں نے نماز سیکھنا شروع کر دی۔ پکا ارادہ کر لیا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد پانچوں نمازیں باقاعدگی سے پڑھوں گی۔

۲۰۰۲ء ستمبر کا مہینہ تھا، دل و دماغ پوری طرح اسلام کو قبول کر چکے تھے، بس زبان سے اس کا اعلان باقی تھا۔ کئی خدشات بھی تھے مگر مجھے کسی کی پرواہ نہ تھی۔ جب میں نے صراطِ مستقیم ڈھونڈ لیا تھا یا اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے جنت کی طرف جانے والا راستہ مجھے دکھا دیا تھا تو میں اس راستے پر قدم کیوں نہ رکھتی؟ میرے دل نے کہا کہ مجھے لوگوں کی نہیں اللہ کی رضا مطلوب ہونی چاہیے۔ میرا دل صبح و شام مجھے مجبور کرنے لگا کہ اب اسلام قبول کرنے میں مجھے تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ عمر خان کی باتوں سے ان کے والد کا ایک خاص امیج میرے ذہن میں بن چکا تھا۔ ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ وہ سانٹو ڈومنگو آئے ہوئے ہیں۔ یہ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۲ء کا دن تھا، اسلام قبول کرنے کی خواہش اس روز عروج پر پہنچ چکی تھی۔ میں ایک مسلم لڑکی کے ہمراہ ان کے پاس گئی۔ میں نے ان کے سامنے اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے حیرانی سے پوچھا'' آخر تم اسلام کیوں قبول کرنا چاہتی ہو؟ تمہارا مقصد کیا ہے؟ ان کا یہ سوال غیر متوقع تھا اس لیے میری حیرانی اور پریشانی کی انتہا نہ رہی اور کچھ میں نہ آیا کہ

کیا جواب دوں۔ بہر حال میں نے اپنے حواس کو مجتمع کیا اور کہا: اس لیے کہ یہی دین حق ہے۔'' انہوں نے مجھ سے کئی اور سوال بھی پوچھے اور میں نے انہیں اطمینان بخش جواب دیے۔ میں انہیں مسجد میں لے آئی۔ انہوں نے مجھے کلمۂ طیبہ پڑھایا اور میں مسلمان ہو گئی۔ سب نے مجھے مبارکباد دی۔ یہ کلمۂ طیبہ بھی کیا چیز ہے، چند الفاظ پر مشتمل ہے مگر زندگی ہی کو بدل دیتا ہے۔ ایک فرد جب اسے اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو وہ تمام طاغوتوں اور باطل معبودوں کی نفی کر کے، ان سے ہر قسم کا ناتہ توڑ کر صرف ایک اللہ کا بندہ بننے کا اعلان کرتا ہے۔ اس اعلان سے وہ جہنم کے راستے سے جنت کے راستے پر آ جاتا ہے۔ کلمۂ طیبہ پڑھنے کے بعد میں نے اپنے لیے ''عائشہ'' نام پسند کیا۔

سوال: اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے احساسات کیا تھے؟

جواب: انتہا کی خوشی تھی۔ میرے جسم کا رواں رواں خوش تھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ مجھے سب سے قیمتی چیز مل گئی ہو اور ''اسلام'' کی صورت میں واقعی سب سے قیمتی چیز ہی تو ملی تھی۔ کلمۂ طیبہ پڑھنے کے بعد میری ایک نئی زندگی شروع ہو گئی تھی اور میں مسلم دنیا کا حصہ بن گئی تھی۔

سوال: اسلام کی کن خوبیوں سے آپ متاثر ہوئیں؟

جواب: عقیدۂ توحید اور اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے کے براہِ راست تعلق نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ مسیحیت میں پادری کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رابطہ کیا جاتا ہے مگر اسلام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا۔ بندہ جب چاہے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو سکتا ہے، اس سے دعائیں مانگ سکتا ہے اور اس کی عبادت کر سکتا ہے۔ پھر یہ کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات بھی ہے، ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے۔

سوال: کیا آپ نے دیگر مذاہب مثلاً بدھ مت، ہندو مت، یہودیت وغیرہ کا بھی

مطالعہ کیا؟

جواب: "مجھے چرچ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے بت اچھے نہ لگے تھے اس لیے جب ہندوؤں کو بھی میں نے بتوں ہی کی پوجا کرتے دیکھا تو مطالعہ کی ضرورت نہ رہی۔ بدھ مت کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ اس کے ماننے والے خدا پر یقین ہی نہیں رکھتے اور میں تو ایک ایسے مذہب کی تلاش میں تھی جو خدا پر یقین رکھتا ہو اور میرے سوالوں کا جواب بھی دے۔

سوال: عیسائیت میں بھی تو خدا کا تصور موجود ہے' پھر آپ نے عیسائیت میں ایسی کونسی خامیاں دیکھیں کہ عیسائیت سے رشتہ ہی توڑ لیا؟

جواب: ڈومینکن کے باشندوں کے بارے میں ایک بات آپ نوٹ فرمالیں کہ وہ کیتھولک عیسائی ضرور ہیں مگر صرف نام کی حد تک۔ وہ اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ اپنی تحریف شدہ کتاب کی تعلیمات پر بھی عمل نہیں کرتے۔ پڑھتے ہی نہیں عمل تو دور کی بات ہے۔ عورت اور شراب ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اب میں آتی ہوں آپ کے سوال کی طرف کہ عیسائیت میں خدا کا تصور ہونے کے باوجود میں نے عیسائیت سے رشتہ کیوں توڑا؟ تین باتوں کے باعث میں نے عیسائیت کو خیرباد کہا اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ عیسائیت اگرچہ گزشتہ پیغمبروں کو تسلیم کرتی ہے مگر اس میں توحید یعنی اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا تصور بڑا ہی پیچیدہ اور سمجھ میں نہ آنے والا ہے۔ عیسائی عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں یعنی خدا' بیٹا اور روح القدس۔ وہ تینوں کو خدا کا درجہ دیتے ہیں اس کے باوجود ان کا اصرار ہے کہ خدا ایک ہے یعنی ایک میں تین اور تین میں ایک۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بھی کہتے ہیں اور خدا بھی۔ یہ عجیب وغریب عقیدہ ہے۔ خدا کے بارے میں عیسائیوں کا یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیا ہوا نہیں ہے۔ عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی پیغمبر مانتے ہیں مگر

ان کا تصور خدا عیسائیوں سے مختلف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ بھی عیسائیوں سے متصادم ہے۔ عقیدۂ تثلیث دراصل مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرنے والے رومن عقائد سے ماخوذ ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین سوا تین سو سال بعد عیسائیت میں داخل ہوا۔ اس کے بالمقابل اسلام میں تصور توحید بڑا واضح ہے۔ سورۂ اخلاص میں توحید کی بڑی جامع تشریح کر دی گئی ہے کہ "کہہ دو کہ وہ اللہ یکتا ہے۔.......اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔" پھر قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی وضاحت کر دی گئی کہ وہ قادر مطلق ہے' وہی خالق' وہی رازق اور وہی اس کائنات اور جنت و دوزخ کا مالک ہے یعنی کائنات کا اقتدار کلی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے ایک ایسے ہی اللہ کی تلاش تھی جو مجھے اسلام میں مل گیا۔

۲۔ عیسائیت میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کی عبادت کے لیے چرچ میں ایک مخصوص نظریہ کو داخل کیا گیا ہے کہ اللہ اور انسان کے درمیان ایک واسطے کی ضرورت ہے اور یہ واسطہ چرچ کا پادری ہے۔ آپ نے اگر ظلم وگناہ کر کے معافی مانگنی ہے تو آپ براہ راست اللہ سے نہیں مانگ سکتے' پادری کے سامنے حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اعتراف کرنا ہوگا' پھر پادری اللہ کے حضور سفارش کرے گا اور آپ کو معافی مل جائے گی اور یہ معافی یقینی ہوگی۔ اس کے برعکس اسلام میں کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ سے جب اور جہاں چاہے براہ راست تعلق قائم کرسکتا ہے اور معافی مانگ سکتا ہے۔ اسلام میں توبہ اور معافی کا تصور بڑا ہی آسان اور واضح ہے۔ عیسائیت میں اعتراف گناہ کے باعث پردہ پوشی نہیں رہتی' اسلام میں توبہ و معافی کے لئے سوائے خدا کے کسی کے سامنے اپنا گناہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور وہ پہلے سے ہی آگاہ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے مزید سوال یہ پیدا ہوا کہ چرچ کے

پادری کو لوگوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے' بائبل میں تو پادری کو ایسا کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ پھر پادری بھی انسان ہیں اور گناہ کرتے ہیں' ان کے گناہوں کی بخشش کس کے پاس ہے۔

۳۔ عیسائیت میں پیدائشی گناہ گار ہونے اور کفارے کا عقیدہ بھی میرے ذہن نے قبول نہ کیا۔ اس عقیدے کے مطابق اماں حوا اور حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں ممنوعہ پھل کھانے کا جو گناہ کیا تھا' وہ اصلی گناہ کہلاتا ہے اور آدم و حوا کی اولاد ہونے کے باعث ہر انسان پیدائشی گناہ گار ہے۔ کفارہ کا مطلب یہ ہے کہ آدم و حوا کی وجہ سے جو گناہ اولادِ آدم میں منتقل ہوا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی جان دے کر اس کا کفارہ ادا کر دیا۔ اب جو بھی انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے' وہ نجات پاتا ہے۔ اس عقیدے میں بے شمار تضادات ہیں مثلاً یہ کہ کہاں کا اصول ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ گناہ آدم و حوا نے کیا اور جان کی قربانی دے کر کفارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ادا کیا۔ اس عقیدے کی تصدیق بائبل بھی نہیں کرتی مثلاً کتاب یرمیاہ کے باب ۳۱ کی آیت نمبر ۳۰ میں ہے ''پھر یوں نہ کہیں کہ باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہو گئے کیونکہ ہر ایک اپنی ہی بدکرداری کے سبب مرے گا۔ ہر ایک جو کچے انگور کھاتا ہے' اسی کے دانت کھٹے ہوں گے۔'' بائبل کی کتاب احبار کے باب ۲۴ کی آیت نمبر ۱۶ میں ہے'' اور تو بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کرے گا' اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا۔'' کتاب حزقی ایل کے باب ۱۶ کی آیت نمبر ۲۰ میں ہے: ''جو جان گناہ کرتی ہے' وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور اشرار کی شرارت شریر کے لیے۔'' کتاب استثناء کے باب ۲۴ کی آیت نمبر ۱۶ میں ہے ''بیٹوں کے بدلے باپ نہ مارے جائیں نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں' ہر

ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے۔'' بائبل کے ان احکام کی موجودگی میں اگر حضرت آدم و حوا نے کوئی گناہ کیا بھی تھا تو اس کا بدلہ اس کی اولاد سے کیسے لیا جاسکتا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو معصوم تھے انہیں دوسروں کے بدلے کیوں صلیب پر چڑھا دیا گیا؟ پھر بائبل کفارہ کے بارے میں یہ کہتی ہے کہ ''شفقت اور سچائی سے بدی کا کفارہ ہوتا ہے۔'' (امثال ۱۶:۶)

سوال: موجودہ بائبل اور عیسائی عقائد کے حوالے سے آپ مزید کچھ کہنا چاہیں؟

جواب: موجودہ بائبل تضادات کا شاہکار ہے۔ من گھڑت اور بے بنیاد استانوں کا مجموعہ ہے۔ کسی کو معلوم ہی نہیں کہ اصل بائبل کہاں ہے؟ موجودہ بائبل کس کس نے لکھی اور ترجمہ در ترجمہ کرنے والوں نے اس کے اندر کیا کچھ داخل کر دیا۔ پھر اس کے اندر جو الٰہی احکام پائے بھی جاتے ہیں' کوئی ان پر عمل نہیں کرتا۔ چند مثالیں میں آپ کے سامنے رکھتی ہوں۔

۱۔ کتاب استثناء کے باب نمبر ۴ کی آیت ۳۹ میں ہے: ''پس آج کے دن تو جان لے اور اس بات کو اپنے دل میں جما لے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔'' کتاب رومیوں باب ۳ آیت ۳۰ میں ہے کہ ''ایک ہی خدا ہے' ' مگر عیسائیوں نے اس پر عمل کرنے کے بجائے تین خداؤں کا عقیدہ گھڑ لیا۔

۲۔ کتاب خروج کے باب ۲۰ اور کتاب استثناء کے باب نمبر ۵ میں ہے: ''تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا' نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمانوں میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔'' کیتھولک گرجوں میں تو مورتیاں عام ملتی ہیں۔

۳۔ بائبل کی کئی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں ہیں' عیسائی ان میں سے کسی کو نہیں مانتے حالانکہ یہ بڑی واضح پیشین گوئیاں ہیں مثلاً انجیل یوحنا

کے باب ۱۴ سے ۱۶ تک چھ پیشین گوئیاں ہیں۔

۴۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں‘ سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تک جو انبیاء علیہم السلام اور انسان پیدا ہوئے ان کا خدا کون تھا؟ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اس وقت تھے ہی نہیں۔ پھر خدا تو قادر مطلق ہوتا ہے مگر عیسائی کتب کے مطابق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری ایام انتہائی اذیت میں گزرے اور وہ اپنے مخالفین سے اپنے آپ کو نہ بچا پائے۔

۵۔ مسلمانوں کی طرح عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں مگر انجیل متی کی آیت ۱۶ میں ہے کہ ”اور یعقوب سے حضرت یوسف پیدا ہوا‘ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے۔“

بائبل اور عیسائی عقائد کے تضادات بیان کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے‘ اس کے بالمقابل قرآن میں ہمیں ایسا کوئی تضاد نہیں ملتا بلکہ قرآن تو چیلنج کرتا ہے کہ ”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔“ (سورہ النساء:۸۲) ”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو‘ اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورہ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔“ (یونس: ۳۸) یہ چیلنج گزشتہ چودہ صدیوں سے موجود ہے بائبل پر خود یورپ کے اہل علم نے تنقید کی ہے اور اسکے تضادات بیان کیے ہیں۔

قرآن مجید اور سیرت رسول پاک ﷺ کے مطالعہ کے بعد یہ بات علم میں آئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء اسلام ہی کے پیروکار تھے۔ سب نے توحید کی دعوت دی‘ اسی خالص توحید کی جس کی دعوت اسلام دے رہا ہے۔ قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ نے نہ صرف تمام پیغمبروں کی

تصدیق کی بلکہ ان پر ایمان لانا بھی ایک مسلمان کے ایمان کا لازمی حصہ بنا دیا۔ پھر قرآن مجید نے ان تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک صاف ستھرے کردار پیش کیا جبکہ بائبل نے ہر نبی کے کردار کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ تقابلی مطالعہ سے میرے علم میں یہ بات بھی آئی ہے کہ گزشتہ تمام کتب میں تحریف ہو چکی ہے اسی لیے ان کی تعلیمات کسی صاحب علم کو اپیل نہیں کرتیں۔

میں نے اسلامی قوانین و احکام کا موازنہ عیسائیت سے کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اسلامی قوانین خامیوں سے پاک ہیں‘ مکمل ہیں اور ان میں گزشتہ چودہ صدیوں میں معمولی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔ سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اصل الفاظ موجود ہیں جبکہ بائبل کی کوئی بھی کتاب اپنی اصل زبان میں موجود نہیں۔ اناجیل کی حالت یہ ہے کہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے صرف ایک حصے کا تذکرہ ہے‘ متعدد بار لکھے جانے اور پھر ترجمہ در ترجمہ ہونے سے ان میں بھی بہت کچھ تبدیل ہو چکا ہے اور اصل شکل بری طرح بگڑ چکی ہے۔ یہ جاننا انتہائی مشکل کام ہے کہ اس میں کتنے فیصد الٰہی کلام ہے اور کتنے فیصد انسانی۔

مزید یہ کہ کرسچن ڈاکٹرائن مثلاً کفارہ اور نجات کا عقیدہ‘ پادری کے سامنے اعتراف گناہ اور بخشش وغیرہ نے جرائم کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان عقائد نے معاشرے میں اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔ عیسائیت نے کوئی ضابطۂ حیات بھی نہیں دیا۔ عیسائیت کے بالمقابل اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات دیتا ہے۔ معاشرتی جرائم اور برائیوں کو قابو میں رکھنے کے لیے قوانین دیتا ہے اور یہ قوانین دلائل و براہین اور منطق پر مبنی ہونے کے باعث ذہن کو اپیل کرتے ہیں۔ اس طرح اسلام محض کوئی نظریہ نہیں رہتا بلکہ ایک عملی مذہب بن جاتا ہے۔ اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی میں انسان کی ضرورت کو پورا کرتا ہے اور اس میں ہر کلچر کا مقابلہ کرنے کی اہلیت ہے۔

مزید یہ کہ کرۂ ارض پر اب یہی ایک دین ہے جو عالمی بھائی چارے اور امن کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرسکتا ہے۔ اس میں رنگ ونسل کا بھی کوئی امتیاز نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر پیغمبر نے جو تعلیم دی وہ اس میں موجود ہے۔ تمام انبیاء کا خالص اور مکمل دین اب یہی ہے۔ یہود و انصاریٰ کو اس حقیقت پر غور کرنا چاہیے' اس میں انہی کا بھلا ہے۔

سوال: مغرب میں مذہبی تعصب مشرق سے بھی زیادہ ہے اس قدر زیادہ کہ بڑی بڑی شخصیات بھی اسلام قبول کرنے کے باوجود اعلان کرنے کی جرأت نہیں کرتیں' پھر آپ نے اس قدر بڑا قدم اٹھانے کی ہمت کیسے کی؟

جواب: مجھے لوگوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی' میرے سامنے ایک ہی بات تھی کہ مجھے دین حق کی پیروی کرنی ہے۔ لوگوں کے خوف سے میں جہنم کے راستے پر نہیں چل سکتی تھی۔ اعلان کر کے میں دوسروں کو دکھانا چاہتی تھی کہ اسلام کیا ہے؟ پھر میں اسلامی کتب میں پڑھ چکی تھی کہ اہل حق کو مشکلات تو پیش آتی ہیں۔ قرآن مجید میں بھی میں نے پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱۔ ''اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر' فاقہ کشی' جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں گے اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔'' انہیں خوشخبری دے دو' ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی' اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راستہ روکیں۔'' (البقرہ: ۱۵۵ تا ۱۵۷)

۲۔ ''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا' جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس

کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟'' (البقرہ:۲۱۴)

۳۔ ''مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائش پیش آکر رہیں گی۔'' (آل عمران:۱۸۶)۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر آنے والی سختیاں بھی میرے سامنے تھیں۔ طائف کا سفر بھی میں نے پڑھ رکھا تھا' اس لیے میں ذہنی طور پر ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار تھی۔

سوال: آپ کے اسلام قبول کرنے پر آپ کے والدین' بہن بھائیوں' سہیلیوں اور رشتے داروں کا ردعمل کیا رہا؟

جواب: والدین اور بہن بھائیوں نے شروع میں اسے محض ایک مذاق سمجھا اور سنجیدگی سے نہ لیا۔ مذاق میں کہتے: ''ایک اور مذہب کو ٹرائی کرلو۔'' جب انہوں نے دیکھا کہ میں واقعی مسلمان ہو چکی ہوں تو انہوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ میں مذاق سے تنگ آکر اس مذہب کو چھوڑ دوں گی۔ میں مسجد میں شلوار قمیص پہن کر اور سر پر سکارف اوڑھ کر جانے لگی تو وہ میرے بارے میں فکرمند ہوگئے۔ اب انہوں نے میرے اسلام قبول کرنے کو سنجیدگی سے لے لیا۔ مجھے سمجھانے لگے کہ ''اسلام دہشت گردوں کا مذہب ہے۔'' ''مسلمان مرد عورتوں پر بڑا ظلم کرتے ہیں۔'' غرضیکہ اسلام کے بارے میں ہر وہ بات انہوں نے کہی جو مغرب کے مسیحی کہتے ہیں۔ میں نے جواباً کہا کہ میں اسلام کو اس کی اصل کتاب میں پڑھ چکی ہوں اور آپ لوگ جو باتیں بتارہے ہیں یہ اسلام کے خلاف من گھڑت پراپیگنڈہ ہے۔ چونکہ میں نے عمر خان کے والد صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا' اس لیے میرے والد صاحب کا خیال تھا کہ میرے مذہب تبدیل کرنے میں عمر کا عمل دخل ہے۔ وہ ماموں کو لے کر عمر کے گھر چلے گئے۔ وہاں ان میں عمر کے درمیان کافی گرمی سردی ہوئی۔ عمر کا موقف تھا کہ ''میں نے نہ اسے اسلام کی دعوت دی ہے اور نہ اس کے

قبول اسلام میں میرا کوئی عمل دخل ہے؛ جا کر اپنی بیٹی سے پوچھ لو۔'' عمر وہاں سرکاری اور سماجی حلقوں میں کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا اور میرے والد صاحب ملکی قانون کو بھی سمجھتے تھے اس لیے عمر کو کسی بڑی آزمائش سے نہ گزرنا پڑا۔ بہرحال گھر کا ماحول کافی کشیدہ ہوگیا۔ ایک روز میرے ہاتھ میں قرآن مجید دیکھ کر والد صاحب بہت گرم ہوئے۔ مجھے ڈرایا دھمکایا گیا مگر میرا ایک ہی جواب تھا: ''جو قدم میں حق کے راستے کی طرف بڑھا چکی ہوں، وہ اب میں پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔'' میں گھر میں اجنبی بن کر رہ گئی۔ والدہ روتیں اور سمجھاتی رہتیں، مگر انہوں نے کوئی تلخ بات نہ کی۔ والد صاحب کا رویہ روز بروز سخت ہوتا گیا۔ ایسٹرویک پر ساحل سمندر پر جانے لگے تو مجھے کہا گیا کہ گاڑی میں، میں کتوں کے ساتھ بیٹھوں۔ میں نے صاف انکار کر دیا تو وہ مجھے گھر پر ہی چھوڑ گئے۔ والدہ روئیں مگر انہوں نے کوئی تبصرہ نہ کیا۔ مجھے بھی غصہ آیا مگر میں نے صبر کیا۔

سوال: اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کو دیگر کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب: حلال خوراک بھی ایک مشکل کے طور پر سامنے آئی۔ مسجد والے حلال گوشت بہت مہنگا دیتے تھے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ گھر میں کوئی مرد نہ ہو تو میں (یعنی عورت) بھی مرغی ذبح کر سکتی ہوں۔ اب میں دکان سے مرغی خریدتی اور اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے دکاندار سے کہتی کہ گوشت بنا دو۔ میں پورے علاقے میں مرغی ذبح کرنے والی لڑکی کے طور پر مشہور ہوگئی۔ لوگ میری طرف اشارے کر کے کہتے کہ یہ وہ لڑکی ہے جو مرغی کو کاٹتی ہے۔ یاد رہے کہ ڈومینکن میں گردن کاٹ کر خون بہانے کے بجائے ریڑھ کی ہڈی میں سوآمار کر مرغی کو مار دیتے ہیں۔ اب کچھ لوگوں کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ بیماریوں کے جراثیم خون میں ہوتے ہیں، گوشت سے خون نہ نکالنے کی صورت میں یہ جراثیم انسان میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ اگر گوشت سے خون نکال دیا جائے جیسا کہ مسلمان ذبح کر کے نکال دیتے ہیں تو گوشت جراثیموں سے پاک ہو

جاتا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی طرح ذبح تو نہیں کرتے مگر کچھ لوگوں نے گردن کاٹ کر خون نکالنا شروع کر دیا ہے۔

بہن کے ساتھ بھی میرے تعلقات خراب ہو گئے اور اس نے کمرہ تبدیل کر لیا۔ ماں نماز پڑھتے دیکھتی تو سمجھتی کہ میں ورزش کر رہی ہوں۔ شلوار قمیص اور اسکارف پر والد صاحب کو بہت غصہ آتا۔ باہر بھی میرے لباس کا مذاق اڑایا جاتا تو جواباً میں بھی حملہ کرتی کہ ''آپ غریب لوگ ہیں، آپ کے پاس پیسے ہی نہیں ہیں کہ پورا لباس پہن سکیں، اس لیے آپ بہت ہی چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنتی ہوں۔''

سوال: قبول اسلام سے قبل آپ کی کلچرل سرگرمیاں کیا تھیں؟

جواب: وہی جو مغرب میں کسی بھی لڑکی کی ہوتی ہیں۔ جب تک میں نے اسلام کا مطالعہ شروع نہیں کیا تھا ڈسکو ڈانس، شراب اور کلب سب کچھ تھا۔ اتنی شراب پیتی تھی کہ السر ہوگیا تھا۔

سوال: اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کی شخصیت اور زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

جواب: لباس تبدیل ہوا، چند لوگوں نے اگر مذاق اڑایا تو اکثریت کی نظروں میں میرا احترام بڑھ گیا۔ اللہ پر یقین سے بے فکری آئی۔ ۵ وقت کی نماز شروع کی اور اسلام نے جن کاموں سے روکا ہے میں رک گئی۔ روحانی اور جسمانی طور پر میں اپنے آپ کو صحت مند محسوس کرتی ہوں۔

سوال: مغرب میں اسلام کے خاف بھرپور پراپیگنڈہ جاری ہے۔ اسلام کو دہشت گردی اور عورتوں پر ظلم و تشدد کرنے والوں کے مذہب کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، کیا اس پروپیگنڈہ کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا؟

جواب: مغرب کے عوام بھی اب کسی حد تک اس حقیقت سے آگاہ ہوتے جارہے

ہیں کہ مغربی میڈیا پراپیگنڈہ کے ذریعے چھوٹی باتوں کو بھی سچ تسلیم کرا لیتا ہے' اس لیے مجھ پر پراپیگنڈہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ دین حق کی تلاش کی خواہش میرے اپنے دل سے اٹھی تھی۔ میرے پاس اسلامی کتابیں دیکھ کر بعض لوگ مجھے بھی دہشت گرد کہنے لگے تھے۔ یہ مسلم میڈیا اور مبلغین کی کمزوری ہے کہ وہ دنیا کو حقائق بتانے میں ناکام رہے ہیں۔ دہشت گردی کے اعداد و شمار اکٹھے کر کے دنیا کے سامنے لائیں جائیں تو دنیا جان جائے گی کہ مسلمان دہشت گرد نہیں' شور مچانے والے ہی اصل دہشت گرد ہیں۔ رہی بات عورتوں پر ظلم و تشدد کی تو اس پر میں نے بہت غور کیا' اسلام تو اس ظلم و تشدد کی اجازت نہیں دیتا یہ معاشرتی رویوں کے باعث ہے اور مغرب میں بھی ہو رہا ہے۔

سوال: اسلام اور عیسائیت میں خواتین کے مقام اور حقوق کا موازنہ آپ کیسے کریں گی؟

جواب: عیسائیت میں عورت کے حقوق و مقام کا کوئی تصور نہیں' موجودہ مغربی کلچر نے بلاشبہ عورت کو کچھ حقوق اور کسی حد تک قابل قبول مقام دیا ہے مگر اس میں عیسائیت کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ حقوق چرچ نے نہیں پارلیمنٹ نے دیئے ہیں۔ عیسائیت میں تو عورت کو گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ کہا گیا ہے۔ آئمہ مسیحت کے عورت کے بارے میں خیالات پڑھ کر ہی تو مغربی عورت کو مسیحیت سے نفرت ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک بڑے مسیحی بزرگ کا عورت کے بارے میں کہنا ہے: ''عورت ہی آدم کو شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی تھی' اس لیے وہ شیطان کا دروازہ ہے۔'' بعض نے عورت کو معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ قرار دیا ہے۔ موجودہ مغربی کلچر میں قانونی طور پر اگرچہ عورت کو حقوق حاصل ہیں مگر عملاً آج بھی وہ مردوں کے لئے محض ایک جنسی کھلونا ہے اور مغرب کا مرد عورت کے ساتھ جیسا سلوک چاہتا ہے کرتا ہے۔ میرے خیال میں قانونی طور پر جو حقوق عورت کو گزشتہ صدی میں دیئے گئے

ہیں اسلام ہی سے مستعار لیے گئے ہیں۔

عیسائیت کے بالمقابل اسلام میں عورت کا مقام اور حقوق واضح کر دیئے گئے ہیں اور کسی قسم کا ابہام نہیں چھوڑا۔ بطور ماں اس کے قدموں میں جنت کو رکھ دیا' بیٹی کی پرورش کرنے والے کو جنت کی بشارت سنائی گئی۔ اسلام میں بہن کے مقام کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی رضاعی بہن شیما جب آپ ﷺ کے سامنے آئیں تو آپ ﷺ احترام میں کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر مبارک ان کے لیے بچھا دی اور بیوی کے بارے میں قرآن میں مردوں سے کہا گیا: ''عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔'' (البقرہ: ۱۸۶) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے اچھے ہیں۔'' (ترمذی) اسلام مرد اور عورت کے حقوق و فرائض میں کوئی فرق نہیں کرتا سوائے ان کے جو قدرت نے رکھ دیئے ہیں۔ عورت کے مقام و حقوق کے معاملے میں عیسائیت اسلام کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ مسلم معاشرے میں اگر کسی جگہ عورتوں کا استحصال ہو رہا ہے تو اس کا ذمہ دار اسلام نہیں۔

سوال: مغرب میں زیادہ تر عورتیں ہی اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟

جواب: کیونکہ عورت اپنی غلطی کو جلدی تسلیم کر لیتی ہے۔ وہ جب اسلام کا مطالعہ کرتی ہے تو اسے احساس ہو جاتا ہے کہ دین حق اسلام ہی ہے' اس لیے غلط راستے کو چھوڑ دیتی ہے۔ مزید یہ کہ مرد ہو یا عورت عزت و احترام کا مقام سب کو عزیز ہے۔ اسلام عورت کو عزت' احترام اور تحفظ دیتا ہے اسی لیے مغرب میں عورتیں زیادہ اسلام قبول کر رہی ہیں۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ مغرب کا مرد بے وفا ہوتا ہے جبکہ مشرق کا مرد باوفا' اس لیے عورتیں مشرقی مردوں سے شادی کرنے کے لیے اسلام قبول کرتی ہیں' کہیں آپ نے بھی تو یہی سوچ کر اسلام قبول نہیں کیا؟

جواب: میں نے اسلام کو دین حق سمجھ کر قبول کیا ہے۔ میں نے جب اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو میرا کسی مسلمان مرد سے کوئی رابطہ تھا نہ ذہن میں کسی مسلمان مرد سے شادی کا کوئی تصور۔ اسلام قبول کرنے کے بعد تو میں کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ محض اتفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم کہ مجھے ایک اچھے مسلمان شوہر اور قابل رشک مسلم فیملی مل گئی اس پر میں جس قدر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کم ہے۔ میں نے اسلام ۲۰۰۲ء میں قبول کیا اور شادی دسمبر ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔ اس دوران میں ایک بار میرے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ شاید میری کبھی شادی نہ ہوگی اور میں ''حامونا'' بن جاؤں گی یعنی وہ عورت جو شادی نہیں کرتی۔ یہ پکا ارادہ تھا کہ میں کسی غیر مسلم سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔

سوال: مغرب کے میڈیا کا پراپیگنڈہ ہے کہ مسلمان مرد چار عورتوں سے شادی کرتا ہے' بیویوں کو مارتا پیٹتا ہے' اس کے باوجود آپ نے اسلام قبول کیا اور پھر ایک مسلمان مرد سے شادی بھی کر لی؟

جواب: میں نے لوگوں کی سنی سنائی باتوں اور میڈیا کے پراپیگنڈہ پر یقین نہیں کیا' کوشش کر کے حقائق کو خود معلوم کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے اور وہ بھی مشروط۔ اور تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جس زمانے میں چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی گئی اس زمانے میں ایک مرد کئی عورتوں سے شادی کرتا تھا' بعض کی درجنوں اور بعض کی بیسیوں بیویاں ہوتی تھیں۔ اسلام نے تو تعداد کو محدود کیا اور مشروط کر کے عورت کے حقوق کا تحفظ بھی کر دیا۔ پھر مسلم دنیا پر ایک نظر ڈال کر عملی صورت حال کو بھی دیکھ لیں' وہ مرد جن کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں ان کی تعداد ایک فیصد بھی نہیں بنتی۔ اس کے بالمقابل مغرب میں ہر مرد درجنوں عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے۔ بعض مغربی ممالک میں ناجائز بچوں کا تناسب ۵۰ فیصد کی حد بھی پار کر چکا ہے۔ جہاں تک مار پیٹ کا تعلق ہے' میں نے

پہلے بھی بتایا کہ یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے اور مغربی عورت کو بھی اس مسئلہ کا سامنا ہے۔

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پردہ ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے' آپ اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟

جواب: یہ بات صرف اس حد تک درست ہے کہ مغربی ممالک میں حجاب والی عورتوں کو ملازمت نہیں دی جاتی' اس لیے وہ ترقی نہیں کر سکتیں۔ درحقیقت حجاب رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ حجاب کے بارے میں اہل مغرب کا متعصبانہ رویہ رکاوٹ بنتا ہے جن ممالک میں ایسا نہیں ہے وہاں حجاب والی عورتیں تمام کام بطریقۂ احسن سرانجام دیتی ہیں۔ مغرب کو تو حجاب سے ہی چڑ ہے' وہ تو سکارف کو دہشت گردی کی علامت سمجھتا ہے' اس لیے مسلمانوں کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ مسلمان عورت کا حجاب ہے اور اس پراپیگنڈہ سے مرعوب مسلمان نہیں سوچتے کہ مسلمانوں کے دور عروج میں کم و بیش ساری عورتیں ہی باحجاب ہوتی تھیں۔

سوال: آزادئ نسواں کی جو مختلف تحریکیں چل رہی ہیں' اس حوالے سے آپ کے خیالات؟

جواب: میرے خیالات بڑے واضح ہیں کہ عورت کو وہ تمام حقوق ملنے چاہییں جو خالق کائنات نے دیئے ہیں اور عورت کو اپنے دائرہ کار سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ مغرب کی سمجھ دار عورت بھی اب یہی سوچ رہی ہے کہ مرد کی طرح گھر سے باہر کام کرنے کی صورت میں وہ گھریلو امور کو مناسب وقت نہیں دے سکتی' جس کے باعث گھر سکون اور فطری خوشیوں سے محروم ہیں۔ مغرب کی عورت مرد کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اپنا زیادہ وقت فیشن اور میک اپ پر گزارتی ہے اور اسی کے باعث اس کا لباس روز بروز کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے' ناچنے گانے اور لہو ولعب میں مغرب

کی عورت مرد سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ اس سے عورت کی اپنی عزت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ میں تو صرف ایسی تحریک کے حق میں ہوں جو عورت کو عورت کا صحیح مقام دلائے اور یہ مقام صرف اسلام ہی دیتا ہے۔ اس وقت آزادیٔ نسواں کی جو تحریکیں چل رہی ہیں وہ عورت کے بجائے مرد کے مفاد میں ہیں۔

سوال: ایک مسلم سوسائٹی کا فیملی سسٹم آپ کو کیسا لگا؟

جواب: چونکہ مسلم سوسائٹی میں مرد اور عورت کے حقوق یکساں ہیں بلکہ گھر کے اندر عورت کو کچھ زیادہ ہی اختیارات حاصل ہیں' اس لیے مجھے مسلم سوسائٹی کا فیملی سسٹم بہت ہی اچھا لگا ہے۔ والدین بچوں سے بہت پیار کرتے ہیں اور بچے والدین کا بہت احترام۔ ایک سے زیادہ بچے بھی ہوں تو پھر بھی اکٹھا رہنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دادا دادی تک ساتھ ہوتے ہیں۔ والدین میں سے ایک فوت ہو جائے تو دوسرا تنہائی کا شکار نہیں ہوتا' اولاد بہت خیال رکھتی ہے' بچے اور پوتے پوتیاں خدمت کرتے ہیں۔ اکٹھے رہنے سے اخراجات کم ہوتے ہیں اور آمدنی میں بچت کے باعث فیملی معاشی طور پر مستحکم ہو جاتی ہے۔ یہ ایک Lovely سسٹم ہے۔

سوال: کیا آپ نے اپنے گھر والوں اور رشتے داروں کو اسلام کی دعوت دی؟

جواب: میں نے دعوت دی مگر وہ اپنا مذہب تبدیل کرنے کو تیار نہیں۔ کلچر' رسوم و رواج' روایات اور طرز زندگی کو بدلنا بہت مشکل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کیتھولک مذہب میں پیدا ہوئے' اسی کے مطابق ان کی پرورش ہوئی' اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور تبدیلی لانے کی ہمت نہیں رکھتے۔ بھائی اور بہن کو مذہب سے کوئی دلچسپی ہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں اسلام بہت پرانا اور دقیانوسی مذہب ہے اور اس میں جدید دور کے ساتھ چلنے کی سکت ہی نہیں ہے۔ میرا کام سمجھانا ہے اور میں ان شاء اللہ سمجھاتی رہوں گی۔

سوال: پاکستانی معاشرے کو آپ نے کیسا پایا؟

جواب: پاکستانی معاشرہ ایسا نہیں ہے جیسا مجھے بتایا گیا تھا میرے سامنے تو اس کی نہایت ہی بری تصویر پیش کی گئی تھی۔ میرا چند ماہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم یہاں بلاکسی خوف و خطر زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہاں بیشتر جگہیں اور سٹورز خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔ یہاں خواتین کو گھر سے باہر کام کے لیے مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ سیر و تفریح کے لیے خواتین کے پاس پورے مواقع ہیں اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے وقت موجود ہوتا ہے۔ عزیز و اقارب جب ایک دوسرے کے گھر جاتے ہیں تو مسکراہٹوں سے خوش آمدید کہا جاتا ہے اور ہر طرح کی خدمت کی جاتی ہے۔ مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ حاجت مندوں کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک تشویش ناک بات ضرور دیکھی ہے کہ نوجوان نسل بھولتی جارہی ہے کہ اس کا تعلق مسلم فیملی سے ہے جس کا اپنا ایک ماحول اور قواعد و ضوابط ہیں۔ لڑکیاں حجاب نہیں کرتیں اور ان کا باقی لباس بھی سادہ نہیں ہوتا۔ اکثر جگہوں پر محض دوپٹہ کی وجہ سے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا گیا حالانکہ دوپٹے میں ایک وقار اور احترام ہے۔ نماز جو خالق سے تعلق جوڑتی ہے' اس سے پہلوتہی بھی مجھے اچھی نہیں لگی۔ میرا خیال تھا کہ مسجدوں میں نمازیوں کی بھیڑ ہوگی مگر مساجد کے بیشتر حصے کو خالی ہی دیکھا ہے میں سوچتی تھی کہ اذان بالخصوص جمعہ کی اذان سنتے ہی لوگ کاروبار بند کر کے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے ہوں گے مگر ایسا کوئی منظر بھی دیکھنے کو نہیں ملا۔ یہاں اکثر عورتیں اذان کے احترام میں اذان کے وقت سر تک کو نہیں ڈھانپتیں۔ میں پاکستانی عورتوں سے کہوں گی کہ وہ مغرب کی نقالی کرنے کے بجائے اسلامی تعلیمات کو اپنائیں کیونکہ اس میں ان کی زیادہ عزت' وقار اور احترام ہے۔

سوال: مغرب میں عورت کو کن مسائل کا سامنا ہے؟

جواب: مغرب میں عورت بے شمار مسائل کا سامنا کر رہی ہے۔ دفتر میں کام کرنے

کے ساتھ ساتھ گھر میں بچوں کی دیکھ بھال بھی اسی کے ذمہ ہے یعنی بیک وقت وہ مرد اور عورت دونوں کے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ معاشی بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہے اور گھریلو ذمہ داریاں بھی۔ کاغذوں میں بے شک عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں مگر عملاً وہ ان حقوق سے مستفید نہیں ہو پاتی۔ عصمت دری کے واقعات عام ہیں۔ گھر میں باپ' سکول میں استاد' دفتر میں باس اور دیگر ہم کاروں کی زیادتی کا شکار ہے۔ شوہر کی اذیت الگ ہے' کم از کم زبان کی تختی تو ضرور ہوتی ہے۔ مغرب میں عورت کو کوئی تحفظ نہیں ہے۔ وہ گلی میں محفوظ ہے نہ گھر میں نہ دفتر میں۔ وہ شوہر کی بے وفائی اور دھوکے کا بھی شکار ہے۔ اسی لیے نفسیاتی امراض بڑھتے جا رہے ہیں اور ان امراض کے شکار افراد میں عورتیں ہی زیادہ ہیں۔

سوال: آپ کے مشاہدے کے مطابق مشرق کی عورت زیادہ خوش ہے یا مغرب کی؟

جواب: میرے مشاہدے کے مطابق تو مشرق عورت زیادہ خوش ہے کیونکہ اسے ان مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جن کا مغربی عورت کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بیشتر مغربی شوہر غیر ذمہ دار' بے وفا اور دھوکے باز ہوتے ہیں۔ دوسری عورتوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں اور بے تحاشا شراب پیتے ہیں۔ مغرب میں عورت کو بڑھاپے میں بھی نوجوان نظر آنے کا سامان کرنا پڑتا ہے۔

سوال: ڈاکٹر عمر خان کے ساتھ شادی کی تفصیل بتانا پسند کریں گی؟

جواب: بہتر ہے کہ آپ یہ سوال عمر خان ہی سے پوچھیں۔ ڈاکٹر عمر خان جو ساتھ ہی تشریف فرما تھے انہوں نے بتایا:

''میں گزشتہ سال ۴ مئی ۲۰۰۵ء کو لاہور آیا تو والدین کا مجھ پر شادی کے لیے کافی دباؤ تھا۔ پاکستان میں لڑکیوں کی صورت حال جو دیکھ چکا تھا' اس سے میں کافی پریشان تھا۔ لڑکیاں شراب پیتی ہیں اور دوسری فضول سرگرمیوں میں بھی

مشغول رہتی ہیں۔ قریبی عزیزوں میں کوئی لڑکی میری ہم عمر نہ تھی۔ والدین کے دباؤ کے باعث میں نے سنجیدگی سے غور و فکر کیا مگر پاکستان میں شادی کے لیے دل راضی نہ ہوا۔ میں نے امی کے سامنے بیرون ملک شادی کی تجویز رکھی۔ امی نے ابو سے مشورے کا کہا۔ ابو نے کہا کہ بے شک بیرون ملک شادی کریں مگر لڑکی مسلمان ہونی چاہیے' مزید یہ کہ وہ ہمارے کلچر میں ایڈجسٹ بھی ہو سکے۔ ابو کی باتیں سن کر میرے ذہن میں عائشہ کا خیال آیا۔ میں نے امی کے سامنے عائشہ کا نام رکھا۔ عائشہ ان کے سامنے ہی مسلمان ہوئی تھی اور امی اس سے مل بھی چکی تھیں۔ امی نے کہا کہ عائشہ سے پہلے تم خود بات کرو۔ یہ نومبر ۲۰۰۵ء تھا۔ میں نے عائشہ کو فون کیا اور شادی کے لیے اپنی رائے رکھی تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ میں تو پریشان ہو گیا کہ آخر شادی کی اس تجویز میں رونے کی کیا بات ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہیں تو خوشی سے انکار کر سکتی ہیں۔ اس پر اس نے بتایا: ''ایسی کوئی بات نہیں ہے' رونا تو بے اختیار آ گیا ہے میں تو خوشی سے رو رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مجھے اسلام کی نعمت سے نوازا اور پھر خود ہی ایک مسلمان کا رشتہ بھی بھیج دیا اور رشتہ بھی اس فیملی کا بھیجا جو ایک معزز فیملی ہے اور جسے میں جانتی ہوں۔'' اس کے بعد بات آگے بڑھی۔ عائشہ کی امی اور نانی نے بھی خوشی سے ہاں کر دی' باپ نے مخالفت کی مگر زیادہ دیر تک نہیں۔ ۲۸ دسمبر ۲۰۰۵ء کو میری شادی ہو گئی۔ میرے ابو' امی اور بہن بھائی سب شریک ہوئے۔ عائشہ کی طرف سے اس کے ابو امی' نانا نانی اور بہن بھائی بھی شریک تھے۔ مہندی اور برات کی رسمیں بھی ہم نے اپنے انداز سے ادا کیں۔ عائشہ کے والدین نے برات کا خوش دلی سے استقبال کیا اور حلال کھانوں سے تواضع کی۔ حالانکہ ان کے اپنے بھی مہمان تھے مگر انہوں نے پھر بھی شراب پیش کی نہ موسیقی کا کوئی پروگرام رکھا۔ ہماری خاطر ان کی خواتین نے کافی حد تک ساتر اور باوقار لباس پہنا اور یوں یہ شادی بخیر و خوبی انجام پائی۔ مجھے خوشی ہے کہ عائشہ

نے میری بیوی بنا پسند کیا۔ وہ پوری کوشش کر رہی ہے کہ اسلامی اور مشرقی کلچر کو سمجھ کر اس میں ایڈجسٹ ہو سکے۔ وہ نمازوں کی بڑی پابندی ہے اور تا حال اس نے مجھے کسی قسم کی شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا۔"

سوال: آپ کے سسرال کیسے ہیں؟

جواب: میں تو محسوس ہی نہیں کرتی کہ سسرال میں رہ رہی ہوں۔ مجھے تو حقیقی ماں باپ سے بھی زیادہ پیار کرنے والے ماں باپ ملے ہیں۔ وہ میری ہر بات کو محبت اور توجہ سے سنتے ہیں' میری ہر خواہش اور ضرورت کو خوش دلی سے پورا کرتے ہیں۔ اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر میرا خیال رکھتے ہیں۔ جب میں پاکستان آئی تو طویل سفر کے باعث میری ٹانگ میں درد شروع ہوگیا اور مجھے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ میری امی (ساس) خود بیمار تھیں اور ابو (سسر) کو بھی دل کی تکلیف تھی۔ امی نے اپنی بیماری اور اپنے شوہر کو بھول کر میری دیکھ بھال کی اور دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اپنے ہاتھ سے مجھے کھلاتی پلاتی رہیں حالانکہ ہسپتال میں دیکھ بھال کے کام کسی نرس سے بھی لیے جاسکتے تھے لیکن امی نے کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کیا۔ جس طرح میری امی نے میری دیکھ بھال کی مغرب میں تو کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اب بھی مجھے تکلیف ہے یقین کریں کہ پورا گھرانہ میرے لیے فکر مند رہتا ہے۔ فیملی کا ہر ممبر میری حوصلہ افزائی کرتا ہے' ڈھارس بندھاتا ہے۔ ایسی تو شاید والدین اپنے شیر خوار بچوں کی بھی دیکھ بھال نہ کرتے ہوں جیسی میری دیکھ بھال میری امی (ساس) کرتی ہیں۔ میڈیکل ٹیسٹوں کے لیے ہفتے میں دو دو بار جانا پڑ رہا ہے اور بیمار ہونے کے باوجود امی میرے ساتھ جاتی ہیں۔ ابو اسلامی مطالعہ کے لیے نہ صرف میری حوصلہ افزائی بلکہ رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ ایسے سسرال پا کر میں تو اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی ہوں۔ تمام انکلو اور آنٹیز بھی میرے ساتھ بہت پیار کرتی ہیں۔ میں

سب کے لیے دُعا گو ہوں۔

سوال: شادی کے بعد عموماً مردوں کے رویے میں تبدیلی آجاتی ہے' کیا عمر خان کے رویے میں بھی کوئی تبدیلی آئی؟

جواب: میں شادی سے پہلے ان کے ساتھ رہی ہی نہیں' اس لیے تبدیلیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اب جبکہ مجھے ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے تو میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ ایک ہمدرد انسان' محبت کرنے اور خیال رکھنے والے شوہر ہیں۔ میں ان کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ وہ میرے لیے' میرے گھر والوں کے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے پریشان رہتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہمارے لیے بہتر سے بہتر کریں۔ میرے شوہر ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے باورچی بھی ہیں۔ ہمارے لیے مزیدار کھانے تیار کر کے بہت خوش ہوتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک محبت کرنے اور چاہے جانے والی شخصیت کے مالک ہیں۔

سوال: اگر آپ امانت' دیانت اور محنت کو پیمانہ بنائیں تو مسلم اور غیر مسلم مردوں میں سے کس کو بہتر سمجھتی ہیں؟

جواب: میرا یقین ہے کہ مسلم مرد زیادہ وفادار اور حق گو ہوتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ وہ اپنی بیویوں کے لیے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ غیر مسلم تو جھوٹ بولتے ہیں' شراب پیتے ہیں' غیر عورتوں سے تعلقات قائم کرتے ہیں' سچائی کو چھپاتے ہیں اور عورت پر اپنی حاکمیت کا رعب جھاڑتے ہیں۔

سوال: اسلام قبول کر کے آپ کو کوئی پچھتاوا تو نہیں؟

جواب: مجھے ہرگز کوئی پچھتاوا نہیں کیونکہ میں نے بہترین طرز حیات کا انتخاب کیا ہے اور یہ آخرت کی کامیابی کا ضامن بھی ہے۔ اس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے اس نعمت سے نوازا۔ میں امی ابو کی بھی شکر گزار ہوں جو رہنمائی کے ساتھ ساتھ میری حوصلہ افزائی بھی کر رہے ہیں۔

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا......؟

تحریر...... پروفیسر میاں سلیم اللہ اویسی

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور اس ضمن میں وہ ان جنگوں کا حوالہ دیتے ہیں جو کہ نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور اس کے بعد لڑی گئیں۔اس اعتراض کا تفصیلی جواب دینے سے قبل ہم ان سے دو سوال پوچھتے ہیں:

۱۔ اسلام دعوت سے پھیلا یا قوت سے اور اس بات کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟

۲۔ اگر اسلام دعوت کے ذریعے پھیلا تو مسلمانوں کی غیر مسلموں سے جنگیں کیوں ہوئیں؟

پہلے سوال کے جواب میں ہم پوری شدت سے کہتے ہیں کہ اسلام دعوت کے ذریعے پھیلا۔اس کے لیے ہم قرآن وسنت سے دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو مسلمانوں کے لیے اس کی اتباع لازم ہے۔اس میں بے شمار آیات کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اسلام کا اسلوب دعوت کا ہے اور کسی دوسرے پر اسلام اختیار کرنے کے لیے جبر کرنا جائز نہیں۔

۱۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۶

لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی.

۲۔ سورۂ نحل آیت ۱۲۵

ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة.

۳۔ سورة الکافرون آیت ٦

لکم دینکم ولی دین.

۴۔ سورۃ رعد آیت ۴۳

فان علیك البلاغ و علینا الحساب.

۵۔ سورۃ غاشیہ آیت نمبر ۲۱، ۲۲

فذکر انما انت مذکر ، لست علیهم بمسیطر.

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام دعوت کے ذریعے پھیلا۔ہمیشہ قرآن پاک کی اس تربیت کو ملحوظ رکھا گیا اور کسی قسم کے جبر واکراہ کو اختیار نہیں کیا گیا۔جس کے چند نمونے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں تھے اور آپ نے دعوت کا آغاز فرمایا تھا تو کسی قسم کا اسلحہ یا مال آپ کے پاس موجود نہ تھا۔اس وقت مکہ کے معاشرے کے کئی نامور اور سر برآوردہ لوگ مسلمان ہوئے۔مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور پھر حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جری اور نڈر لوگوں نے بھی کلمہ پڑھا۔کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تلوار کے ڈر سے مسلمان ہوئے اس وقت کونسی مادی قوت نے انہیں مسلمان بنایا؟

۲۔ قریش نے بڑی شدت سے مسلمانوں کی مخالفت کی۔نبی اکرم ﷺ اور آپ کے متبعین پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ایسے وقت میں کہ جب یہ سب لوگ مکہ میں مغلوب کیے جا رہے تھے، اہل مدینہ اسلام قبول کر رہے تھے اور مسلمانوں کو وہاں آنے کی دعوت دے رہے تھے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدینہ کے باسیوں نے اسلام قوت سے مغلوب ہو کر اختیار کیا۔

۳۔ خلافتِ عباسیہ اور فاطمیہ کے زوال کے دور میں عیسائی مشرق کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اسلام کو ختم کیا جائے لیکن یہاں پہنچ کر ان کے گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے اور مسلمانوں کے ساتھی بن کر ان کے دشمنوں سے لڑنے لگے۔تھامس آرنلڈ اپنی کتاب ''پریچنگ آف اسلام'' میں لکھتا ہے کہ دعوتِ محمدی ﷺ نے ہمیشہ عیسائیوں کی قابل

قدر تعداد کو (ابتدا سے بارہویں صدی عیسوی تک) متاثر کیا ہے اور ان متاثرین میں عام عیسائی ہی نہیں بلکہ ان کے بعض امراء اور اہم لوگ بھی عیسائیت کے غلبے کے دور میں اسلام کے حلقے میں شامل ہوئے۔

تھامس آرنلڈ لکھتا ہے، معرکۂ حطین کے موقع پر مملکت قدس کے ۶ امراء نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وجہ سے بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ یہ لوگ سلطان صلاح الدین ایوبی کے کردار سے متاثر ہوئے کہ جس نے انہیں مسحور کر دیا تھا۔ ایک انگریز پادری برٹ آف سنیٹ نے ۱۱۸۵ء میں کلمہ پڑھا اور سلطان کی ایک بیوہ سے شادی کی۔

کیا کوئی مذکورہ بالا گفتگو کے بعد یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام قوت سے پھیلا؟

۴۔ ساتویں صدی ہجری میں منگول عالمِ اسلام پر حملہ آور ہوئے ان کے حملے انتہائی وحشیانہ تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں اور اسلامی تہذیب کو تہس نہس کر ڈالا۔ محلات و مساجد کو نیست و نابود کر دیا۔ کتابیں جلا دیں۔ علماء کا قتل کیا۔ حتیٰ کہ خلیفۃ المسلمین کو بھی اہل و عیال سمیت قتل کر ڈالا اور ۶۵۶ ہجری میں خلافتِ عباسیہ کو ختم کر ڈالا۔ اب منگولوں کے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ اسلامی سلطنت ان کے لیے مکمل طور پر مغلوب ہو گئی لیکن جلد ہی اسلام کی روشنی نے ان فاتحین کو زیر کر ڈالا۔ اور وہ اس کے حلقے میں داخل ہونے پر فخر کرنے لگے۔ کیا ان کو کسی نے تلوار سے مغلوب کیا؟

تھامس آرنلڈ ''پریچنگ آف اسلام'' میں لکھتا ہے کہ چنگیز خان کے لشکری اسلامی طریقوں کے اسیر ہو گئے۔ انہوں نے اس تہذیب کو اپنا لیا۔ اسلامی مبلغین نے منگول فوجیوں کی سختی کو نرمی سے بدل دیا اور وہ اس کی اطاعت پر آمادہ ہو گئے۔

۵۔ کیا رسول ﷺ کے غزوات میں ذرہ برابر بھی جنگی اسلوب نظر آتا ہے؟ تاریخ بتاتی ہے کہ اکثر غزوات کا بنیادی سبب صرف یہ تھا کہ غیر مسلموں نے جب مسلمانوں پر زیادتی کی تو دوسرے مسلمانوں نے اپنے بھائیوں کی مدد کی اور اسلام اس دفاع کی حالت میں بھی پھیلتا رہا۔

اور سلامتی کے دور میں پھیلا
۶۔ تاریخ یہ واضح طور پر بتاتی ہے۔ اسلام ہمیشہ امن
ہے۔ صلح نامہ حدیبیہ کے جس کے ذریعے دو سال کے لیے امن و سلامتی کا ماحول پیدا کیا
گیا۔ سب سے زیادہ لوگ اس عرصے میں اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے۔ بیس برسوں
میں اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے جتنے اس دو سالہ دور میں مسلمان ہوئے۔ اس سے یہ
پتہ چلتا ہے کہ اسلام امن کے دور میں پھیلا ہے جنگ کے دور میں نہیں۔

۷۔ ایک اور اہم پہلو جس کی وضاحت ضروری ہے کہ ایرانیوں اور رومیوں کے
خلاف مسلمانوں کی جنگوں اور اسلام کے پھیلنے کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ
جنگ تو مشتعل کرتی ہے۔ لہٰذا جب جنگ کا خاتمہ ہوا تو پھر مبلغین اسلام آگے بڑھے اور
انہوں نے اسلامی نظام کے مبادی اور فلسفہ سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ دراصل لوگ اس پاکیزہ
اور نرم دعوت کے اسیر ہو گئے۔ خاص طور پر جب مفتوحہ علاقوں کے عوام نے قیصر کے ظلم و
ستم اور فرعونیت کے مقابلے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رحمدلی اور انکساری کا نظارہ
کیا تو وہ گروہ در گروہ اسلام کے حلقے میں داخل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق اکرک اپنی کتاب ''اے شارٹ ہسٹری آف مڈل ایسٹ'' میں
لکھتا ہے کہ اہل شام اور مصر سُفلی کے علاقوں میں نویں صدی عیسوی تک عیسائی مسلمان
نہیں ہوئے حالانکہ اسلام کی آمد کو یہاں دو سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جبکہ
متحدہ عرب امارات، عراق اور مشرقِ وسطیٰ کے دیگر مسلمان ممالک میں ہزاروں عیسائی
اسلام قبول کر چکے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے پھیلنے کا تلوار اور جنگ و جدال سے کوئی تعلق
نہیں۔

۸۔ فیگ اور راولینڈ اولیور اپنی کتاب ''اے شارٹ ہسٹری آف افریقہ'' میں لکھتے
ہیں کہ افریقہ کے صحراؤں میں اسلام اس وقت پھیلا کہ جب مغرب میں عیسائیوں کی عظیم
سلطنت برطانیہ عروج پر تھی۔ لہٰذا اس خطے میں اسلام کا فروغ محض اسلامی افکار ثقافت

اسلامیہ اور دعوت کے ذریعے ہی ممکن ہوا۔ان بربر قبائل میں اسلام کی دعوت اس شدت سے پھیلی کہ افریقہ کے صحراؤں میں ایک لمبے عرصے کے لیے جاری رہنے والی سلطنت اسلامیہ کو قائم کر دیا۔

۹۔ انڈونیشیا اور افریقہ کے ملائی عیسائیوں میں اسلام کی وسعت کا واحد سبب دعوتِ اسلامیہ کا ہی منہج تھا۔

ڈاکٹر احمد عبد اللہ شلبی مصنف مقارنۃ الادیان لکھتے ہیں کہ میں کئی برس انڈونیشیا میں رہا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ اسلام اپنے آسان مبادیات اور فطری ضابطوں کی وجہ سے تیزی کے ساتھ ان لوگوں میں پھیلا۔یہاں دعوتِ مذاہب کا ایک بازار گرم تھا۔اسلام کے سوا مذاہب کے مبلغین کے پاس وسائل کی کثرت تھی۔عیسائی کنفیوشس کے پیروکار ہندو اور بدھ مت کے پروہت سب بھرپور طریقے سے تبلیغ کرتے تھے اور وسائل کو بھرپور طریقے سے استعمال کرتے تھے۔

لیکن جب ایک بدو مسلمان ان کے مقابلے میں اپنے دین کو انتہائی سادگی سے پیش کرتا تو لوگ دیوانہ وار اس کی طرف لپکتے تھے۔

کنفیوشس کے افکار کو پھیلانے والے فرد واحد کو بھی متاثر نہ کر سکے۔ہندو مت اور بدھ مت کے ماننے والوں کو بھی ناکام لوٹنا پڑا۔عیسائیوں کے ہسپتال اور مدارس صرف چند لاکھ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوئے۔لیکن اس میں بھی عیسائیوں کی مکاری اور فریب کو زیادہ دخل تھا۔اگر کوئی بچہ عیسائیوں کے مدرسے میں داخل ہوتا تو وہ صرف عیسائیت کو جانتا تھا کسی اور مذہب کے بارے میں اسے کچھ پتہ نہ ہوتا۔عیسائی ہسپتالوں میں مریضوں کو دعاؤں اور عبادات میں شریک کیا جاتا لیکن اس کا دین محض ان دعاؤں اور عبادات کی شمولیت تک ہی محدود ہوتا تھا۔

جبکہ اسلام فقط دعوت اور فطری تقاضوں کی مطابقت کی وجہ سے ان کے دلوں میں گھر کر گیا۔اسی وجہ سے انڈونیشیا کے ۹۰ فیصد لوگ بحمد اللہ مسلمان ہیں۔

افریقہ میں دعوت اسلام کے حوالے سے ایک فرانسیسی ہوبیر وشیان (جو کہ فرانسیسی استعمار کے سربراہ کے طور پر افریقہ میں تعینات تھا) اپنی کتاب ۱۹۵۰ء میں ''الدیانات فی افریقہ السوداء'' میں لکھتا ہے ''کہ اکثر علاقوں میں اسلامی دعوت کا پھیلاؤ کسی مادی سبب کا مرہون منت نہیں بلکہ یہ مبلغین کی کوششوں کا ثمر ہے جو کہ اپنے خدا پر دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتے تھے۔اسی طرح کئی اور مقامات پر اسلامی دعوت کا پھیلاؤ مسلمانوں کی ان علاقوں میں آمد کے باعث ہوا کہ ان کے تمدن اور معاشرے سے لوگ بہت جلد متاثر ہو جاتے تھے۔اسلام کے پھیلاؤ کا ایک اور سبب اس کا دین فطرت ہونا ہے کہ اس پر عمل کرنا آسان ہے۔اس کے نظام کے تمام پہلوؤں میں یکسانیت اور رابطہ موجود ہے۔مسلمان ہونے کے لئے شہادتین کی گواہی کافی ہے۔جو مسلمانوں میں اہم آہنگی کے لیے حج کے ایک جیسے لباس، تسبیح وتہلیل کہنے کا یکساں انداز، عربی سیکھنا، وقار دینی اور نماز جیسے شعائر اسلامیہ کا رواج ایسی اہم چیزیں ہیں جو کہ مسلمانوں کو ساحرانہ جاذبیت کا حامل اور ایک منفرد مقام عطا کرتی ہیں جو شخص مسلمان ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو ایک محفوظ شخصیت محسوس کرتا ہے جو کہ زندگی سے قوت حاصل کرتی ہے۔

مشہور المانوی مصنفہ ڈاکٹر لسی لکٹنڈر اپنی کتاب ''اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج'' میں لکھتی ہیں کہ ''ایران و روم کی سلطنتوں میں لوگوں کو اسلام یا تلوار کا اختیار نہیں دیا گیا تھا بلکہ انہیں اسلام یا جذبہ قبول کرنے کا حق دیا گیا تھا۔'' یہ فقرہ حقیقت میں دعوتِ اسلامی کی کامیابی کے معیار کی انتہائی خوبصورت عکاسی کرتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام پھیلنے کا واحد سبب دعوتِ دین تھا۔اس کے بعد ہم دوسرے سوال کی طرف آتے ہیں کہ اگر اسلام دعوت کے ذریعے پھیلا تو پھر مسلمانوں اور کفار میں جنگیں کیوں لڑی گئیں؟

اس سوال کا جواب بہت آسان ہے جس کے چند پہلوؤں کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں جبکہ بعض وجوہات کا ذکر ذیل میں کر رہے ہیں:

۱۔ دفاعی نقطۂ نظر

تاریخ میں یہ بات واضح ہے کہ قریش کا دستِ تطاول صرف صحابہ (حضرت عمارؓ، بلالؓ، یاسر رضوان اللہ علیہم اجمعین) تک ہی محدود نہ تھا بلکہ نبی کریم ﷺ کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔اب جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ و امان سے ان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا تو یہاں بھی کافروں نے یہود مدینہ سے مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں شروع کر دیں تاکہ مسلمانوں کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کیا جائے تو اب مسلمانوں کے لیے اپنا دفاع لازم ٹھہرا۔چنانچہ اللہ کریم نے انہیں دفاع کی اجازت دی۔

سورۂ حج آیت ۳۹،۴۰

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر○ للذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولو اربنا اللہ۔

مذکورہ آیت سے واضح ہے کہ اسلام قتال (جنگ) کا حامی نہیں اُذِنَ فعل مبنی للمجہول ہے اور اس کا فاعل مبنی للمعلوم ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس صیغہ کو مجہول لانے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نام کے ساتھ قتال کا لفظ نہیں لانا چاہتے بلکہ غائب فاعل یعنی کلمہ قتال بھی ذکر نہیں اور نائب فاعل کے بدل کے طور پر سبب اجازت (بانھم ظلموا) کو ذکر کر دیا۔

بعض مسلمانوں نے اس آیت کے نزول پر یہ بھی کہا کہ یہ مشرکین سے قتال کی اجازت کے لیے کافی نہیں اس لیے کہ اس آیت کی روح تو سلامتی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔اگرچہ اس کے الفاظ تو قتال کی اجازت دے رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں کا مشرکین سے قتال سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۰۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحبّ المعتدین۔

کی رو سے واضح طور پر قتال کی اجازت موجود ہے لیکن اس اجازت کو بھی دفاع سے مشروط کیا گیا ہے اور وہ ہے حد سے تجاوز نہ کرنا۔اس لیے کہ حد سے تجاوز کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔ثابت ہوا کہ قتال کا سب سے بڑا مقصد جان، مال اور عزت کا دفاع کرنا تھا۔

یہاں ہم حبشہ سے متعلق ایک اور اہم حوالہ پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے مدینہ سے قبل حبشہ کی طرف ہجرت کی لیکن انہوں نے اہلِ حبشہ سے کوئی قتال نہیں کیا اس لیے کہ وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔اگر اسلام کو قوت سے پھیلانا مقصود ہوتا تو مسلمان حبشہ پر چڑھائی کرتے۔اس لیے کہ ایران و روم کے مقابلے میں یہ کمزور لوگ تھے۔بعض لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ درمیان میں سمندر حائل تھا۔اس لیے مسلمانوں نے حبشہ پر چڑھائی نہیں کی تھی۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر بحری راستے پر سے ہی حملہ کیا تھا۔جس کے ذریعے بحیرہ ابیض کے کئی جزیروں کو مسلمانوں نے فتح کیا لیکن انہوں نے حبشہ پر حملہ نہیں کیا۔جس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا مقصد کبھی جنگ نہیں رہا بلکہ وہ ہمیشہ دفاع اور ظلم کے خاتمے کے لیے جہاد کرتے ہیں۔

جہاد کا دوسرا مقصد ان کمزور لوگوں اور مسلمانوں کی حفاظت تھا کہ جن کو کفار اپنے ظلم وستم سے اسلام قبول کرنے سے روکتے یا نظامِ اسلام پر عمل کرنے کی اجازت نہ دیتے۔

غزوات کا بنیادی مقصد ملت اسلامیہ کا تحفظ بھی تھا۔اس لیے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل اہل عرب چھوٹے چھوٹے قبائل میں بٹے ہوئے تھے لیکن جب وہ اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تو روم اور ایران کو ان سے خطرہ محسوس ہونے لگا لہٰذا انہوں نے عرب کے ان ساحلی علاقوں کے رہنے کہ جہاں ان کے ہم مسلک لوگ موجود تھے مسلمانوں کے خلاف محاذ کھولنے شروع کر دیئے۔چنانچہ غزوہ تبوک کا بنیادی سبب اہل روم

کے حملے کا خطرہ تھا۔اسی طرح حضرت نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیاتِ اقدس کے دور میں ایک شخص نے رات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ مضطرب ہو کر یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ کیا عیسائیوں (رومیوں) نے حملہ کر دیا ہے؟

اہلِ روم اور ایران کے خلاف مسلمانوں کی حقیقی لڑائی تو قیصر و کسریٰ سے تھی اور ان کے حقیقی مقابل وہ ظالم حکومتی کارندے اور فوجی تھے جنہوں نے خدا کی مخلوق پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

چنانچہ جب جنگ کے شعلے سرد ہوئے تو مسلمانوں کی فتح ان کے علاقوں تک ہی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر اثر انداز ہوئی لاکھوں رومی اور ایرانی مسلمان ہو گئے اور جو باقی بچ گئے انہوں نے جذیہ دے کر رہنا قبول کر لیا۔

مسلمان کافر کے ساتھ حالت جنگ میں بھی امن کے داعی کے طور پر کھڑا ہوتا ہے۔قرآن پاک سورۃ انفال آیت ۶۱ میں فرماتا ہے۔

و انہ جنحو اللسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ.

دوسری جگہ سورۂ نسا آیت نمبر ۹۰ میں فرماتا ہے۔

فان اعتزلوکم ولم یقاتلوکم و القوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا.

ان آیات کی روشنی میں سیرت مصطفوی ﷺ کا نظارہ کرو کہ جب رومیوں کی آمد کی اطلاع پہنچی تو آپ تبوک تک تشریف لائے اور جب یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ وہ واپس لوٹ گئے ہیں تو آپ بھی واپس تشریف لے آئے۔

جنگوں کے اقتصادی مقاصد

بعض مستشرقین کے نزدیک ان جنگوں کے ذریعے مسلمانوں کا اصل مقصد مال اکٹھا کرنا تھا۔چنانچہ تھامس آرنلڈ اپنی کتاب ''پریچنگ آف اسلام'' میں لکھتا ہے کہ ''اہل عرب بھوکے لوگ تھے۔بھوک اور حاجات نے انہیں خشک صحراؤں کو چھوڑ کر سرسبز و

شاداب علاقوں پر قبضے کے لیے آمادہ کیا۔''

اسی طرح ایک اور فرانسیسی دولیت دونلڈش اپنی کتاب ''عقیدہ الشیعۃ'' میں لکھتا ہے کہ ''ہم اس بات میں شک کرتے ہیں کہ محض حمیت دینی نے ان اہلِ عرب کو اتنی وسیع جنگوں پر تیار کیا دراصل ان جنگوں کا اصل سبب شدید اقتصادی حاجات تھیں۔''

اسی طرح سٹینلے لین پول اپنی کتاب ''عرب ان سپین'' میں لکھتا ہے کہ ہم اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے کہ مال و دولت کی چکا چوند' سرسبز و شاداب زمینوں' متمدن شہروں کی اعلیٰ طرزِ تعمیر والی عمارتوں نے دراصل مسلمانوں کو ان جنگوں پر آمادہ کیا۔

فلپ متی اپنی کتاب ''ہسٹری آف عرب'' میں لکھتا ہے کہ ''یہ مادی خواہشات ہی تھیں کہ جن کی وجہ سے بدو عرب جو کہ اکثر مسلمانوں کے لشکروں کے روپ میں تھے بنجر وادیوں سے تنگ آ کر شمال کے سرسبز و شاداب خطوں کی طرف متوجہ ہوئے۔بعض افراد میں آخرت کا ڈر یا جنت نعیم کا شوق ہو سکتا ہے لیکن اکثر کے لیے مدینہ کی سنگلاخ وادیوں کے مقابلے میں عیش و عشرت کی یہ زندگی زیادہ متاثر کن تھی۔

مستشرقین کے اس موقف کے لیے ہمیں انتہائی غور و فکر سے اس بات کا جائزہ لینا پڑے گا کہ کیا یہ لوگ صحیح کہتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کا ان جنگوں کے ذریعے واحد مقصد دنیاوی لذتوں اور آسائشوں کا حصول تھا اور دور کی ان دو سپر پاورز کے لیے یہ بدو محض اس مقصد کے لیے قاصد القضاء بن گئے؟

جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ دعوتِ اسلامی کا مقصد صرف مال و دولت کا حصول تھا تو یہ کوئی نیا الزام نہیں۔ان مستشرقین سے قبل مشرکین مکہ نے ایسا الزام خود بھی نبی اکرم ﷺ پر لگایا تھا تو آپ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیں کہ میں اپنی تبلیغ سے باز آ جاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب نہ کر دے اور اس کے سوا سب کو ختم نہ کر دے۔نبی کریم ﷺ نے مالدار ہونے کے بعد فقر اختیار کیا۔یہی حال حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا۔حضرت عمر کے زمانے میں یہ سپر پاورز زیر ہوئیں۔ یہ انتہائی بے سروسامانی کی صورت میں رہتے تھے اور یہی حال حضرت عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

علامہ باذری اپنی کتاب ''مفتوح البلدان'' میں لکھتے ہیں کہ ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کے دماغ میں یہ غلط فہمی آئی تھی۔اس نے گمان کیا کہ شاید ان بدؤوں کو سونے چاندی سے بہلا کر جنگ سے جان چھڑوائی جا سکے گی۔چنانچہ اس نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کے کسی نمائندے سے ملنا چاہتا ہوں تو آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیجا تو رستم نے کہا میرے خیال میں معاشی تنگ دستی اور سخت مشقت نے تمہیں یہاں آنے پر آمادہ کیا ہے۔ہم تمہیں پیٹ بھرنے کے لیے روٹی بھی دیں گے اور اس کے علاوہ جس چیز کی تمنا کرو وہ ہم دے دیتے ہیں۔

عجب بات ہے کہ فلپ متی اپنے دعویٰ کی دلیل کیلئے اس قصے کو ذکر کرتا ہے۔ جبکہ یہ رستم کی رائے ہے اور حضرت مغیرہؓ کے جواب کو چھپایا جاتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے اس کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تمہیں تین چیزوں کی دعوت دیتے ہیں:

اسلام' جذیہ یا جنگ

چین کا بادشاہ بھی رستم والی غلط فہمی کا شکار ہوا کہ جب حضرت قتیبہ بن مسلم رضی اللہ عنہ نے چین پر حملہ کیا تو اس کے طلب کرنے پر حضرت قتیبہؓ نے گفتگو کے لیے حضرت ھبیرہ کلابیؓ کو بھیجا تو بادشاہ نے کہا کہ اپنے سپہ سالار کو کہو کہ مجھے اس کے لالچ اور اس کے ساتھیوں کی قلت کا اندازہ ہے۔اسے چاہیے کہ واپس چلا جائے۔ورنہ میں اپنا کوئی سپہ سالار بھیجوں گا جو اسے ہلاک کر دے گا تو حضرت ھبیرہؓ نے جواب کہ اس کے ساتھی قلیل کیسے ہو سکتے ہیں؟ کہ جس کے اگلے سوار تیری مملکت کی سرحدوں پر اور آخری زیتون کے محلات کے قریب ہیں اور وہ لالچی کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے مال پر قادر ہوتے ہوئے

اسے چھوڑا اور تیرے مقابلے میں جہاد پر آیا ہے۔جہاں تک تیرا ہمیں موت سے ڈرانا ہے تو یہ ہماری آرزو ہے۔ہمارے نزدیک خدا کی راہ میں مرنا واللہ سب سے زیادہ قابلِ احترام ہے لہٰذا ہم موت سے نہیں ڈرتے۔

مسلمانوں کا مقصد کبھی مال کا حصول نہیں رہا۔البتہ انہیں اگر کچھ مال میسر آیا تو وہ ہمیشہ فلاحی مقاصد کے تابع رہا مندرجہ ذیل حوالہ جات سے اس موقف کو زیادہ تقویت ملتی ہے۔

۱۔ جزیرہ عرب کے وسط میں مسلمانوں نے بیس برس تک مشرکین کا مقابلہ کیا اور اس دوران ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اس کے علاوہ مرتدین' مخالفین زکوٰۃ اور دیگر اسلام دشمن قوتوں کے مقابلے میں بھی ہزاروں مسلمانوں نے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کیا۔یہ تمام جنگیں انہی صحراؤں اور پتھریلی زمین پر لڑی گئیں۔کیا فلپ متی بتا سکتا ہے کہ یہاں کون سا مالی مفاد مسلمانوں کے پیش نظر تھا؟ اور مسلمانوں کی ان قربانیوں کا مطمحِ نظر کیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے بغیر مال غنیمت کے بھی جہاد کیا مثلاً فتح مکہ اور مالِ غنیمت کے ساتھ بھی لیکن اگر وہاں کے مقامی لوگ مسلمان ہوئے تو یہ مال انہیں لوٹا بھی دیا مثلاً طائف وحنین۔

۲۔ اگر ان عرب بدؤوں کا مقصد مال کا حصول تھا تو یہ تو ہزاروں برس سے یہاں رہ رہے تھے۔اس سے قبل انہوں نے روم یا ایران پر حملہ کیوں نہ کیا؟ یہ تو ان سے قلت تعداد اور قلت وسائل کی وجہ سے خوفزدہ تھے۔لیکن انہیں قلیل وسائل و تعداد کے ساتھ قوتِ ایمانی نے ہی دراصل انہیں ان جابر و ظالم لوگوں سے لڑنے کا حوصلہ عطا کیا۔غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ نے رومیوں کے مقابلے میں لڑنے کے معاملے میں تردد کیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تو روم کی قوت کو تو اس طرح بیان فرمایا کہ ''یہ رومی بنو اصغر'' ہیں جن کا عزم لوہے کی طرح ہے اور سخت مقابلہ کرتے ہیں۔

۳۔ ان بدؤوں نے جب بابلیوں کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو مقوقس نے ان کے جائزہ

لینے کے لیے جو جاسوس روانہ کیا اس نے واپس جا کر اسے بتایا کہ "میں نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے کہ جنہیں موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے اور قدر و منزلت سے زیادہ انہیں تواضع پسند ہے۔ انہیں دنیا سے کوئی رغبت نہیں۔ وہ مٹی پر بیٹھتے ہیں اور ان کا بادشاہ ان میں سے ایک شخص ہوتا ہے۔ ان میں کوئی چھوٹا بڑا مرتبہ نہیں ہوتا اور کوئی بندہ اس کا سردار نہیں ہے۔

۴۔ بربروں کے ساتھ شمالی افریقہ میں طویل عرصہ تک مسلمانوں نے جنگیں لڑیں اور ہزاروں مجاہدین کا نذرانہ پیش کیا جبکہ اس صحراء اور پتھریلی زمین میں کوئی مادی رغبت موجود نہ تھی۔

دراصل ان تمام جنگوں کا واحد مقصد آخرت کی بھلائی تھا۔ ورنہ محض مال کے حصول کے لیے کوئی فوج اپنے سے کئی گنا قوی اور طاقتور فوج سے ٹکر نہیں لیتی۔ کبھی کوئی مال کے لالچ میں اپنے آپ کو آنکھوں دیکھی ہلاکت میں مبتلا نہیں کرتا۔ جبکہ اسلامی تاریخ میں ہزاروں ایسے واقعات موجود ہیں کہ دین برحق کے سچے عاشقوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور انہیں کوئی مال میسر نہ آیا۔

روم اور ایران میں چار سو سال تک جنگ جاری رہی۔ لیکن یہ دنیاوی مال و متاع کے حصول کی لڑائی تھی۔ لہٰذا ان میں سے کوئی مستقل فاتح نہ بن سکا۔ جس کا واحد سبب کسی عقیدے کا نہ ہونا تھا۔ لیکن جب ان عرب بدوؤں کو عقیدے کا ہتھیار میسر ہوا تو ان کا ہر ہتھیار کاری ثابت ہوا اور انہوں نے روم اور ایران کے عظیم لشکروں کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔

سٹینلے لین پول اپنی کتاب "عرب ان سپین" میں لکھتا ہے کہ دین پھیلانے سے زیادہ ان لڑنے والوں کا یہ تصور زیادہ پختہ تھا کہ ہمارے مدمقابل خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں اور سعادت اُخروی و نعمائے الٰہیہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کی منتظر ہیں۔

غیر مسلم، اسلام قبول کیوں کرتے ہیں؟

ملک محبوب الرسول قادری

آفتاب اسلام ساڑھے چودہ صدیوں کے سفر کے بعد آج پوری آب و تاب کے ساتھ آسمانِ دنیا پر جگمگا رہا ہے اور دنیا کا اس وقت سچا مذہب صرف اسلام ہی ہے حقانیت اسلام کے حوالے سے زیرِ مضمون میں ان نو مسلم خوش بختوں کے احوال پیش کیے جا رہے ہیں جنہوں نے ماضی قریب میں دولتِ اسلام سے اپنے دامن مراد کو لبریز کیا۔ ان تاثرات کے مطالعہ سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام اپنے پختہ اور سچے نظریات کے بل بوتے پر مخلوق میں مقبول ہوا۔ فروغ اسلام میں کسی بھی طرح کے تشدد، جبر، حرص و ہوا اور لالچ و چرب زبانی کا کوئی حصہ نہیں...... آیئے! اور نو مسلم خوش نصیبوں کے تاثرات و تجربات سے شناسائی حاصل کریں تاکہ قبول اسلام کے اصل محرکات سامنے آئیں اور مغرب و مستشرقین کے منفی پراپیگنڈے دم توڑ جائیں۔ ملاحظہ ہو۔

..........(۱)..........

ڈاکٹر آر۔ ایل۔ میلما (ہالینڈ) (Prof Dr. R.L. Mellema) یورپ کے مشہور محقق، مصنف تھے انہوں نے قبول اسلام کا شرف پایا۔ ان کا کہنا ہے کہ "مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ صداقت جہاں ملے اسے قبول کرلو"۔ اسلام کے ان سنہرے اصولوں میں رواداری اور حق شناسی کا جو جوہر پایا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام انسانوں کو رنگ و نسل اور علاقے سے ماورا ہو کر رشتۂ اخوت میں منسلک کرتا ہے اور صرف یہی وہ مذہب ہے جس نے عملی طور پر اس اصول کو اپنا کر دکھا بھی دیا ہے۔ مسلمان دنیا میں کہیں بھی ہوں وہ دوسرے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ خدا کے سامنے سارے انسان یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ اس کا سب سے خوبصورت اور روح پرور مظاہرہ حج کے موقع پر احرام باندھ کر کیا جاتا ہے۔

(۲)

محترمہ آمنہ کا کہنا ہے کہ ''میں ایک اپاہج عورت ہوں مگر میں اپنے آپ کو اپاہج نہیں سمجھتی۔ میرا ایمان ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جائے وہ کبھی اپاہج نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا اس کا سہارا بن جاتا ہے...... میری زندگی اسلام کے لئے وقف ہو چکی ہے۔ میں اسلام ہی کے لئے کام کروں گی اور میں اسلام کی روح انسانوں میں پھونک دینا چاہتی ہوں۔ جب بھی کوئی انسان برائی کا راستہ ترک کرتا ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ اسلام کی فتح ہوئی ہے۔''

(ماہنامہ حکایت لاہور بابت ماہ فروری مارچ ۱۹۸۰ء)

(۳)

ابراہیم کوان (ملائیشیا) (Ibrahim Kuan) کا کہنا ہے کہ ''میں نے ساٹھ سال کی عمر تک ایک پروٹسٹنٹ عیسائی کی حیثیت سے زندگی گزاری اور اس دوران تقریباً تین سال تک کوالالمپور (ملائیشیا) کے چرچ میں پادری کی خدمات بھی انجام دیں۔ مختصراً اسلام کی جن تعلیمات نے مجھے اپنا اسیر بنالیا وہ یہ ہیں......... اسلام عیسائیت کے مقابلے میں کہیں زیادہ عقلی، عملی، قابل فہم، منطقی اور سادہ مذہب ہے......... اسلامی عبادات اللہ سے براہِ راست تعلق جوڑتی ہیں۔ اسلام میں خدا کا تصور بڑا ہی باوقار اور پُرشکوہ ہے......... اسلامی عبادات میں زندگی اور تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ عیسوی طرزِ عبادت کی طرف ادھوراپن نہیں ہے......... قرآنی تعلیمات کے مطابق مسلمان گزشتہ ساری کتابوں کو مقدس اور الہامی مانتے ہیں اگرچہ وہ تحریف کی نذر ہو چکی ہیں۔ قرآن ہر قسم کی ترمیم و تبدیلی سے محفوظ ہے اور پہلی کتابوں اور رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔

(۴)

محترمہ امینہ جنان کا تعلق امریکہ سے ہے۔ انہوں نے 1977ء میں اسلام قبول کیا تھا۔۔۔ کہتی ہیں کہ میں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً بے انصافی اور لاعلمی پر مبنی تھا...... ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے ورنہ میں طبعاً بہت شرمیلی

ہوں اور خاوند کے سوا کسی دوسرے مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ خود بھی حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لئے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے ہیں تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے عین مطابق پایا...... پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کا درجہ جس قدر بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ ''جنت ماں کے قدموں میں ہے۔'' اور آپ کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ ''عورت نازک آبگینوں کی طرح ہے اور تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔'' قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے میں مطمئن ہو گئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے اور اپنے مسلمان کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں میری ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں خواتین کو بتاتی ہوں کہ اس کے برعکس اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے خواتین کو جو حقوق عطا کیے تھے اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بحیثیت بیٹی، بہن، بیوی اور ماں اسے خاص احترام اور حقوق حاصل ہیں۔ باپ، خاوند، بھائی اور بیٹوں کی جائیداد سے اسے حصہ ملتا ہے اور طلاق کی صورت میں اولاد کی کفالت کا ذمہ دار شوہر ہوتا ہے۔ طلاق کو یوں بھی اسلام میں سخت ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور شادی کے موقع پر خاوند کی حیثیت کے مطابق اسے معقول رقم (یعنی مہر) کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ خاوند کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھے اور اس کی غلطیوں کو معاف کرے اور اس باپ کے لئے جنت میں اعلیٰ ترین انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے جو اپنی بچیوں کی محبت اور شفقت سے پرورش کرتا ہے اور ان کی دینی تربیت کر کے انہیں احترام سے رخصت کرتا ہے اور اس اعزاز کی تو کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے اور باپ کے مقابلے میں اسے تین گنا زیادہ واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔

(۵)

کاؤنٹ ایڈورڈ گیادا (انگلستان) کہتے ہیں کہ ''میری پیدائش اگرچہ ایک

کیتھولک گھر میں ہوئی تھی لیکن اپنے والد کے زیر تربیت میں نے کیتھولک مذہب کے پیچیدہ اور سوفسطائی عقائد کو کبھی قبول نہیں کیا۔ اس کے برعکس میں بچپن ہی سے مساجد کی سادگی اور خوبصورتی سے بڑا متاثر تھا۔ اسلامی تمدن و معاشرت نے میرے ذہن پر دور رس اثرات چھوڑے تھے۔ خصوصاً مسلمانوں کی شاعری اور فن تعمیر کا بڑا مداح تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا کہ جس قوم نے تہذیب و شائستگی کے ہر پہلو کو اس قدر ترقی اور اہمیت دی اور دنیا کے سامنے حسن و جمال کا ایک وسیع منظر پیش کیا ہے یقیناً اس کا فلسفہ اور مذہب میں بھی بہت بلند درجہ ہوگا اور یہی تجسس مجھے اسلام کے قریب لے آیا۔

..........................(۶)..........................

اسمٰعیل جزازسکی (پولینڈ) (Ismail Wieslaw Jazierski) کہتے ہیں کہ میں 8 جنوری 1900ء کو پولینڈ کے شہر کراکوف میں پیدا ہوا۔ میرا تعلق پولینڈ کے اونچے درجے ایک گھرانے سے ہے۔ اگرچہ میرے والد پکے اور سچے دہریے تھے مگر بڑے روادار تھے۔ اسلامی تعلیمات نے میرے دل کی آنکھیں روشن کر دیں۔ اس کی تعلیمات میرے ذہنی تصورات سے مکمل ہم آہنگی رکھتی تھیں۔ میں نے اسلام کی صورت میں ایک مکمل اور بے عیب قسم کا ضابطہ حیات پالیا تھا جو زمین پر اللہ تعالیٰ کی شہنشاہیت قائم کرنے میں ذاتی اور اجتماعی سطح پر انسان کی پوری راہنمائی کرتا ہے اور جس میں اتنی لچک بھی ہے کہ ہر لحظہ تغیر پذیر زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ میں ثقافت اور سماجی علوم سے خصوصی دلچسپی رکھتا تھا۔ چنانچہ مجھے اسلام کے مختلف معاشرتی اداروں نے بہت متاثر کیا خصوصاً نظام زکوٰۃ' نظام وراثت' حرمت سود' جارحیت پر مبنی جنگوں کی ممانعت' حج کا عالمگیر اجتماع اور تعدد ازدواج کی اجازت نے مجھے مسحور کر دیا۔ یہ ساری خصوصیات سرمایہ دارانہ تہذیب و نظام اور کمیونزم کے درمیان انصاف' عدل اور میانہ روی کی بہترین مثالیں تھیں۔ پھر اسلام مختلف ریاستوں کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کا جو عقلی حل پیش کرتا ہے اس کا کہیں کوئی جواب نہیں۔ سارے اہل اسلام کو نسل' زبان' ثقافت' رنگ اور علاقے کی حد بندیوں سے نکال کر ایک رشتہ اخوت میں پرو دیا گیا ہے۔ جہاں تک شادی اور ازدواجی زندگی کا تعلق ہے اسلام

میں اس کی بنیادیں بڑی گہری ہیں اور سماجی و حیاتیاتی حقائق نے ان کے مبنی برحق ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ مغرب کی سطحی' غیر سنجیدہ اور نام نہاد نظام زوجیت کے مقابلے میں اسلام کے یہ خاندانی اصول وضوابط کہیں زیادہ بہتر اور عملی خوبیوں کے حامل ہیں۔

..........................(۷)..........................

ایچ ایف فیلوز (انگلستان) کہتے ہیں کہ ''کم و بیش ایک سال اور گزر گیا۔ میں نے دوبارہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔ اب میں نے مسلم مشن لندن سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ وہاں سے مجھے مسلمان مصنفین کی لکھی ہوئی کتابیں بھجوائی گئیں۔ ان کتابوں نے مغربی علماء کی علمی دیانت کی قلعی کھول دی۔ بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کا جو کھیل یورپ کے مصنفین رچاتے ہیں اس پر دکھ ہوا اور حیرت بھی۔ عبارتوں کو توڑ موڑ کر اور مطالب کو مسخ کر کے من مانے مفاہیم برآمد کرنا ان دانشوروں کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ان کتابوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ یورپ اسلام کے خلاف کیوں ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ دراصل اسلام ایک مرتبہ پھر بیدار ہو رہا ہے اور ایسی تحریکیں چل پڑی ہیں جو پوری سرگرمی کے ساتھ اسے اس کی مکمل اور صحیح صورت میں جدید ترین سائنسی اور تاریخی ضرورتوں کے تحت پیش کر رہی ہیں اور یہ چیز ثابت ہوتی جا رہی ہے کہ صرف اسلام ہی عہد حاضر کے تقاضوں کو ساتھ لے کر انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ باقی سارے مذاہب اور نظریئے اپنی حیثیت کھو چکے ہیں اور ان کے لئے زمانے کی پیچیدگیوں اور فکری و نظری تاریکیوں میں راستہ بنانا ناممکن ہے۔ مختصر یہ کہ مجھے میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے۔ مجھے سکون قلب کی دولت مل گئی اور میں مسلمان ہوگیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اسلام ہی وہ تنہا مذہب ہے جو نظریہ و عمل اور ہر اعتبار سے ایک سچا مذہب ہے اور یہی وہ صراط مستقیم ہے جو ہمیں بلاشک وشبہ خالق اکبر تک لے جا سکتا ہے۔''

..........................(۸)..........................

''ہم کیوں مسلمان ہوئے؟'' کے مصنف عبدالغنی فاروق نے ایک نو مسلم خاتون لیڈی بارنس کے قبول اسلام کا واقعہ ایک کتاب ''اسلام زندہ باد'' کے حوالے سے نقل کیا ہے جس

کے مطابق لیڈی بارنس (انگلستان) کے بارے میں حکیم الامت علامہ اقبال نے بیان فرمایا!

مسز داؤد آپس کی طرح لیڈی بارنس کا قبول اسلام بھی اپنے اندر عجب کے کئی پہلو رکھتا ہے۔ آپ ایک نومسلم فوجی انگریز کی بیوی تھیں۔ چند سال کا ذکر ہے یہ دونوں میاں بیوی ایک مقدمے میں ملوث ہو کر میرے پاس آئے۔ چونکہ الزامات سراسر جھوٹے تھے اس لئے عدالت نے انہیں باعزت بری کر دیا۔ چونکہ وکالت کے فرائض میں نے انجام دیئے تھے اس لئے چند روز بعد لیڈی بارنس میرا شکریہ ادا کرنے کے لئے لاہور تشریف لائیں۔ اس وقت میں نے سوال کیا' لیڈی صاحبہ! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ "مسلمانوں کے ایمان کی پختگی' ڈاکٹر صاحب۔" لیڈی موصوفہ نے جواب دیا۔

.........(۹).........

نومسلم شیخ بشیر احمد شاد (پاکستان) کہتے ہیں کہ میں 1928ء میں ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں دھیان گالو کے ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوا۔ میں رومن کیتھولک مشن کے ساتھ وابستہ تھا۔ 1947ء کے اواخر میں میری شادی شرقپور کے ایک پروٹسٹنٹ پادری گھرانے میں ہوئی۔ تبلیغی میدان میں میرا انداز بڑا جارحانہ تھا۔ جہاں میں عیسائیت کو دین حق کے طور پر پیش کرتا وہاں اسلام سے اس کا مقابلہ بھی کرتا اور زور و شور کے ساتھ اسلام پر عیسائیت کی برتری ثابت کرتا۔ میں اکثر اس بارے میں سوچتا کہ ایک تو یہ کہ ....

اگر عیسائیت ایک سچا مذہب ہے اور اسی کی تقلید پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے تو یہ مذہب زوال کی طرف کیوں جا رہا ہے؟ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد محبت و اخلاق پر ہے۔........اس کے برعکس اسلام کو ہر عیسائی جھوٹا خیال کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ظلم و تشدد اور تلوار پر قائم ہے پھر یہ اس قدر ترقی کیوں کر گیا؟ جبکہ ظلم و تشدد انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ انہی دو بنیادی مسائل کا تقابل مجھے راہِ تجسس پر دور تک کھینچتا چلا گیا اور میں ذہنی و قلبی اضطراب کو لئے ہوئے تلاشِ حق کے لئے اِدھر اُدھر سرگرداں رہا۔ علمائے کرام سے اعتراضات کی صورت میں گفتگو کا ایک ہی مقصد ہوتا اور علمی و تحقیقی طلب و جستجو کا بھی اب ایک ہی مدعا تھا یعنی دل کی اس خلش کا علاج جو متذکرہ

بالا مسائل نے پیدا کر دی تھی۔ تجسس کی یہ مدت دس سال کے عرصے پر محیط ہو گئی۔ الحمد للہ کہ اندھیرے کے تمام پردے ایک ایک کر کے نگاہوں سے ہٹتے چلے گئے۔ ذہن کے سارے شکوک دور ہو گئے۔ اسلام ایک روشن جگمگاتا ہوا سورج بن کر میرے سامنے آ گیا اور اب اس سے انکار کرنا ممکن نہ رہا۔

بچپن سے سنتا آ رہا تھا کہ اسلام ظلم و تشدد کا علمبردار ہے اور یہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے جبکہ عیسائیت محبت و اخلاق سے پھیلی ہے اس میں کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کی جاتی۔

مگر پیدائشی مسیحی ہوتے ہوئے بھی یہ بات میرے مشاہدے میں آتی رہی کہ برصغیر میں انگریزوں کے آنے کے بعد لوگ پیار و محبت سے عیسائی نہیں ہوئے بلکہ انہیں دنیاوی لالچ دے کر عیسائی بنایا گیا اور روحانی سکون کی طرف کھینچنے کی بجائے انہیں دنیاوی عیش و آرام کی طرف اُکسایا جاتا تھا۔ چنانچہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ پاک و ہند میں جتنے لوگ بھی عیسائی ہوئے وہ کسی نہ کسی دنیاوی مفاد اور مادی لالچ میں گرفتار ہوئے۔

پھر یہ بات بھی میرے تجربے میں آئی کہ غیر ملکی مشنری امریکہ اور یورپ سے بھاری رقمیں منگاتے تو مقامی عیسائیوں کی امداد کے نام پر ہیں مگر وہ خرچ اپنی ذات پر کرتے ہیں۔ انہیں کالے عیسائیوں سے کوئی محبت نہیں ہوتی۔ وہ اس کو کاروبار سمجھتے ہیں اور تبلیغ کے نام پر دراصل خود گلچھرے اڑاتے ہیں۔ بلکہ یورپ کی طاقتوں نے خصوصاً اسلام کو ختم کرنے کے لئے بڑے ظلم' دھونس اور دھاندلی سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس کے برخلاف مجھے یاد نہیں کہ پاکستان میں کبھی کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہی عالم دوسری اسلامی دنیا کا ہے۔ ہندوستان میں صدیوں تک مسلمان حکمران رہے مگر ہندو آخر تک اکثریت میں رہے اور آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کرتے رہے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا میں کبھی اسلامی فوجیں گئی ہی نہیں مگر وہ اکثریتی مسلم ممالک ہیں۔ تلوار یا تو دفاع کے لئے ہے یا ظالم انسان دشمن قوتوں کے لئے ورنہ نبی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے لے کر ساری اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام رحم و کرم' محبت و شفقت اور انسانی ہمدردی کا بے نظیر مرقع ہے اور اس پر تشدد کا الزام جھوٹ اور بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

........................(۱۰)........................

پیکی راڈرک (ہندوستان) کہتے ہیں کہ میں ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران ایک اینگلو انڈین خاندان میں پیدا ہوا۔ میں نے ابتدائی تعلیم ایک مشن سکول میں حاصل کی جہاں مذہب پر بطورِ خاص توجہ دی جاتی ہے۔وہ اصول جو ایک انسان اپنی انفرادی زندگی میں بجالاتا ہے انہی کو ایک حکومت عوام سے معاملہ کرتے ہوئے بروئے کار لائے گی اور وہی اصول ایک ریاست کو دوسری ریاستوں سے تعلقات استوار کرتے وقت کام دیں گے۔ اسی طرح اسلام میں کسی بے انصافی یا استحصال کی کوئی گنجائش نہیں' نہ نوآبادیاتی نظام' سامراجیت' طبقاتی کشمکش یا غیر منصفانہ اور جارحانہ جنگوں کی کہیں اجازت ہے۔ ظاہر ہے جب تک بنی نوع انسان ایک ہی جامع اور منصفانہ نظام کے تحت نہیں آ جاتے دفاع کی ضرورت اور افادیت اپنی جگہ برقرار رہے گی مگر اسلام کے قانونِ صلح و جنگ عین فطری اور انسانی مفاد میں ہیں۔

اسلام کا نظریہ جہاد عورتوں' بچوں' بوڑھوں اور نہتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں ہسپتالوں' اسکولوں' عبادت گاہوں اور رہائشی مکانوں پر بمباری کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام صرف انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دینے کے لئے لڑتا ہے یا پھر اس وقت تلوار اٹھاتا ہے جب تبلیغ دین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں یا دشمن جارحیت پر اتر آئے۔ مگر یہاں کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا نہ وہ کسی سامراج کے مظلوم و بے سہارا عوام پر ظلم وستم کو برداشت کرتا ہے۔ مسلمان ہر وقت جنگ بندی اور صلح پر تیار رہتا ہے۔ خواہ دشمن اس بہانے انہیں دھوکا ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔ (لیکن مسلمان نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے نہ ہی کسی سے دھوکا کھاتا ہے) اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اسلام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ خلق خدا کی خدمت کی جائے اور ان مشکلات کا مداوا کیا جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے اچھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "کسی انسان کا دل خوش کر دینا' بھوکے کو کھانا کھلانا' مظلوم کی دادرسی کرنا' کسی پریشان حال کا دکھ بانٹ لینا اور کسی زخمی کا علاج

معالجہ کر دینا۔" (انگریزی پندرہ روزہ "یقین" ۲۲ نومبر ۱۹۶۸ء)

میں اسلام کے نظریۂ اخوت سے بے حد متاثر ہوں جو رنگ' نسل اور قبیلے کے امتیازات سے بلند ہو کر سب کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ اسلام میں سب لوگ برابر ہیں اور مساوات کا یہ عمل بین الاقوامی اور عالمگیر ہے۔ اسلام نے عملی طور پر انسانوں کے درمیان حائل خلیجوں کو پاٹ دیا ہے اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کو خدا کا کنبہ بنا دیا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی ساری مخلوقات اس کا کنبہ ہے اور خدا کو وہی سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے۔"

........................(۱۱)........................

تھامس اروِنگ (کینیڈا) کا کہنا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سات سو سال بعد اس وقت خدائے واحد کی دعوت دی جبکہ پورا یورپ نیم وحشی حالت میں زندگی گزار رہا تھا۔ مریم و عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش ہو رہی تھی اور عقل و شعور پر مبنی کوئی بھی تحریک ابھی نو سو سال کی دوری پر کھڑی تھی۔ اس عالم میں حضرت موصوف ﷺ نے دنیا کو جو نیا پیغام دیا' عقل و فکر کی تائید اس کی پشت پر تھی اور واقعی اس دعوت نے تاریخ میں ہمہ نوع انقلاب برپا کر دیا۔ بالآخر میں اس یقین تک پہنچ گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے نبی ہیں اور ان کی زبردست ضرورت بھی تھی۔ میں نے اب تک جو نتائج اخذ کیے تھے مکمل طور پر اختیاری نوعیت کے تھے اور علم و عقل ان کی صداقت پر گواہی دیتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن پاک کا تقدس و پاکیزگی میں ڈوبا ہوا انداز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حد درجہ نفیس تعلیمات نے میرے دل پر ہجوم کر لیا اور اسلام آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر میرے سامنے آ گیا اور میں نے اسے قبول کر لیا۔

........................(۱۲)........................

راجکماری جاویدہ بانو بیگم (ہندوستان) کلکتہ کی مشہور نومسلم خاتون تھیں جو بنگال کے ایک ہندو راجہ کی بیٹی تھیں۔ اعلیٰ تعلیم کی حامل تھیں۔ انہوں نے کامل تحقیق کے بعد اسلام قبول

کیا وہ کہتی ہیں کہ صرف اسلام ہی انصاف و انسانیت اور آزادی کا مذہب ہے جس کی مثال اور کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ ہمیں اسلامی اصولوں کے تحت جائیداد پر قابض ہونے کے لئے کونسل و قانون کے دروازے کھٹکھٹانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ تمام قوانین اب سے 1300 سو سال قبل ہم مسلمانوں کے لئے اتارے گئے تھے۔ آج کل مذاہب عالم جس مقصد کو اپنا نصب العین بنا کر اخلاقی اور تمدنی معاشرتی فوائد کے لئے سرگرداں ہیں وہ تمام فوائد مسلمانوں کے لئے جس دن سے قرآن مجید نازل ہوا ہے موجود ہیں۔ اسلام کے بنیادی اصول وحدانیت، حقانیت اور اُخوت و مساوات بے حد معقول، موثر، مفید اور فطری ہیں۔

..............(۱۳)..............

سر جلال الدین لاڈر برنٹن آکسفورڈ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔ وہ انگلستان کے ایک ممتاز جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور زبردست عزت و افتخار اور نیک نامی کے حامل تھے کہتے ہیں کہ: اسلام کے مطالعے کی ابتداء ہی سے یہ راز مجھ پر کھل گیا کہ یہ مذہب انسانی فطرت کے قریب ہے۔ شکوک و شبہات کی گرہیں کھلتی چلی گئیں اور میرے اندر سچے خدا کی عبادت اور خدمت کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ میں نے دیکھا کہ عیسائیت کے سارے عقائد کی بنیاد بائبل کی تعلیمات پر استوار بتائی جاتی ہے مگر ان میں تو زبردست تضاد پایا جاتا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بائبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات تحریف کا شکار ہو چکی ہیں؟ اس سوال کا جواب پانے کے لئے میں نے بائبل کا گہرا ناقدانہ مطالعہ جاری رکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعی یہ کتاب تغیر و ترمیم سے محفوظ نہیں ہے اور اس میں بہت سے لوگوں کے خود ساختہ عقائد راہ پا گئے ہیں۔ اسلام کے مطالعہ نے مجھے بتایا کہ انسان میں "روح" نام کی ایک غیر مرئی قوت ہوتی ہے جو کبھی نہیں مرتی۔ گناہوں کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی اور اگر انسان خلوص دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی ساری شانِ رحیمی و کریمی کے ساتھ گناہوں کو معاف کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔

..............(۱۴)..............

حسین روف (انگلستان) Hussain Rofe کا کہنا ہے کہ میں نے چرچ،

آف انگلینڈ کے طریق عبادت اور تصورات کو قریب سے دیکھا تھا اور یہودیت کی مذہبی رسوم کا بغور مشاہدہ کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے ذہن نے دونوں میں سے کسی کو قبول نہ کیا۔ رومن کیتھولک میں، میں نے پراسراریت کا غلبہ پایا اور انسانی وقار و احترام کو توہمات تلے کراہتے دیکھا۔ یہاں ایک طرف تو انسان کو پیدائشی گنہگار کہا جاتا ہے مگر دوسری طرف پوپ اور اس کے حواری معصوم عن الخطا قرار دیئے گئے ہیں۔

اکتا کر میں نے ہندو فلاسفی کا مطالعہ شروع کیا اور اپنشد اور وید کو بنیاد بنایا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات یعنی کچھ چیزوں کو میں نے احترام کی نظر سے دیکھا مگر اکثر باتوں کو رد کر دیا۔ معاشرتی برائیوں کا ہندو تعلیمات کوئی حل پیش نہیں کرتیں۔ برہمن کو غیر معمولی تقدس اور ان گنت سہولتوں کا مستحق قرار دیا گیا ہے مگر اچھوت کو زندہ درگور کر دیا گیا ہے۔ کسی مذہب میں بھی انسانی توہین کی وہ مثال نہیں ملتی جس کا نمونہ ہندومت میں نظر آتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ سارا الزام خدا کے سر تھوپا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ بہرحال میں نے مسلمان مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ایک مسلمان کا ترجمہ قرآن پڑھا تو مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ مجھے میری منزل گئی اور میں سالہا سال سے اسی گوہر مقصود کا متلاشی تھا۔

..............(۱۵)..............

ڈاکٹر حمید مارکوس Dr. Hameed Marcus جرمنی کے مشہور سائنس دان، صحافی اور مصنف تھے انہوں نے اسلام قبول کیا بڑی تحقیق اور جستجو کے بعد، پھر وہ کہتے ہیں کہ دورِ حاضر کے ایک انسان کے لئے اسلام کا یہ پہلو بھی زبردست افادی نتائج کا حامل ہے کہ یہ مذہب سماجی زندگی کی حد تک خشک اور بے لچک رویہ نہیں رکھتا۔ یہ زندگی کے ساتھ چلنے کا قائل ہے بلکہ ایسے فطری اور باوقار نظام کا پرچار کرتا ہے جو پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ اسلامی قوانین جائز انسانی آزادیوں پر کوئی قدغن نہیں لگاتے بلکہ اس طرح کے رہنما اصول دیتے ہیں جو انسانی عزت و شرف اور وقار میں اضافہ کرتے ہیں۔ برسوں سے میں اس حقیقت کو دیکھتا چلا آرہا ہوں کہ اسلام توازن و تناسب کا حسین امتزاج ہے۔

..........(۱۷)..........

ڈاکٹر خالد شیلڈرک Dr. Khalid Sheldrick نے 1903ء میں اس وقت اسلام قبول کیا جب ان کی عمر صرف 17 برس تھی اور وہ مذہب عیسوی کی تبلیغ کی تعلیم وتربیت حاصل کر رہے تھے ان کی گفتگو کا ایک اقتباس آپ بھی پڑھیئے۔ آخر میں میں اپنے اس یقین کا اظہار کروں گا کہ انشاء اللہ ایک دن تمام دنیا دین اسلام کا پرچم تھام لے گی مگر یہ اس امر پر موقوف ہے کہ اسلام کے نام لیوا اسلام کا عملی نمونہ بنیں اور اصول اسلام کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ مختلف اسلامی ممالک کے سفر کے دوران میں نے محسوس کیا ہے کہ مسلم اکثریت کے ملکوں میں ضعف' بے عملی' پست ہمتی اور افتراق کا غلبہ ہے۔ اقلیت والے ملکوں میں مسلمان دینی تعلیمات کی پیروی اور عمل میں (جو قوت وترقی کے اسباب ہیں) نسبتاً بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر دنیا کے مختلف ملکوں کے مسلمان اپنے دین کی پیروی کریں اور ان کی سیرت پر اسلام کی عظمت کے آثار نمایاں ہوں تو یہ اسلام کی ایک عملی تبلیغ ہوگی جو غیر مسلم اقوامِ عالم کو اسلام کے اصولوں کا گرویدہ بنادے گی۔

مجھے ایسے مذہب کی ضرورت تھی جو قابل عمل ہو۔ نرے فلسفہ' محض خیالات اور صرف خوابوں کا مذہب نہ ہو۔ اس کو اپنا کر دوسرے لوگوں سے قطع تعلق نہ کرنا پڑے اور مجھے ایک ایسے دستور العمل کی ضرورت تھی جس پر چل کر میں ہر آن دوسروں کے لئے اور اپنے لئے مثالی نمونہ بن جاؤں۔ میں نے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے دوسرے مذاہب کا بغور مطالعہ کیا۔ بالآخر مجھے معلوم ہوا کہ میرے اپنے خیالات جو ایک عقیدہ کی صورت میں میرے ذہن نشین ہو گئے ہیں ہو بہو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر اس وقت پہنچا جب کہ ابھی تک میں نے کسی مسلمان کی لکھی ہوئی کتاب پڑھی تھی نہ کسی مسلمان سے ملاقات کا موقع میسر آیا تھا۔ میں نے اسلام پر عیسائی مصنفین کے متواتر حملوں کو دیکھا اور اپنے آپ سے سوال کیا "یہ لوگ اسلام سے اتنے خائف کیوں ہیں؟ اسلام نے وہ کون سی تعلیم دی ہے جس کی وجہ سے کلیسا کا زبردست دشمن ٹھہرا ہے۔" میں نے جہاں تک ہو سکا تمام کتابیں حاصل کیں مگر وہ سب کی سب عیسائی محققین کی لکھی ہوئی

تھیں۔ انہی کتابوں سے اپنے دل میں اصل معاملہ کو حل کر لینے کے بعد دس سال قبل اس حقیقت پر پہنچ گیا کہ اسلام برحق دین ہے اور پہلا مسلمان جس سے مجھے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی تھے جنہوں نے خود بھی عیسائیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے ساتھ گفتگو کرنے اور نہایت تحقیق وتدقیق کے بعد میرے تمام شکوک رفع ہو گئے اور میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اشهد ان لا اله الا الله واشهدان محمداً عبدهٗ و رسولهٗ

..........(۱۷)..........

خالد لطیف گابا کا آبائی نام کنہیا لال گابا تھا۔ وہ پاکستان کے ضلع مظفر گڑھ کے قصبے لیہ میں پیدا ہوئے۔ ذیل کی تقریر خالد گابا نے قبول اسلام کے بعد لاہور کی بادشاہی مسجد میں سامعین کے بہت بڑے اجتماع میں کی تھی۔ اس اجتماع میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ "پہلی چیز جس نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ اسلام کی سادگی اور ہدایت ہے۔ اسلام کے ارکان انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ان سب کی بنیاد اصولوں پر ہے اور اس قدر واضح ہیں کہ ایک عام عقل وفہم کا انسان بھی انہیں سمجھ سکتا ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور اس خدا کی وحدانیت جو نہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا' جو نہ تو مٹی میں ڈھالا جا سکتا ہے اور نہ پتھر میں' جو ایک ہے اور ایک رہے گا۔

اسلام کو ترجیح دینے کی دوسری وجہ اسلام کی جمہوریت ہے' اسلامی مساوات سوشلزم اور بالشوزم کی مساوات نہیں جو امیروں کا بظاہر غریبوں کی خاطر درندوں سے ہلاک کرنا سکھاتی ہے۔ یہ عیسائیت کی مساوات بھی نہیں جہاں سیاہ رنگ کے حبشی کو سفید رنگ کی عورت پر نگاہ ڈالنے کے جرم میں بے محابا قتل کیا جاتا ہے اور سیاہ فام عیسائی خدا کی عبادت کے لئے بھی ان گرجوں میں نہیں جا سکتے جہاں سفید فام عیسائی جاتے ہیں۔ سیاہ فاموں کے لئے الگ مخصوص گرجے ہیں جبکہ اس کے برعکس مسجد کے دروازے ہر مسلمان کے لئے یکساں کھلے ہیں خواہ وہ رنگ کسی کا ہو اور خواہ اس کی کوئی سی نسل ہو۔

..........(۱۸)..........

محترمہ خدیجہ فرزوئی (انگلستان) کا کہنا ہے کہ بچپن میں میری مذہبی تربیت

چرچ آف انگلستان کی زیر نگرانی ہوئی۔ مگر ہوش سنبھالا تو میرا ذہن اس سے بالکل مطمئن نہ ہوا۔ مجھے چرچ آف انگلینڈ کی تعلیمات میں قوت اور وقار کا فقدان نظر آیا۔

..................(۱۹)..................

داؤد آپسن (انگلستان) کہنہ مشق صحافی تھے بمبئی میں اسلام قبول کیا اور پھر لاہور مستقل سکونت اختیار کی انہیں علامہ اقبال کی مجلس میں بیٹھنا نصیب ہوا اور پھر ان کی شفقتیں گہرے دوستانہ تعلقات میں بدل گئیں اپنے قبول اسلام کے حوالے سے داود آپسن کا کہنا ہے کہ ''ایک مرتبہ ایک معزز مسلمان نے مجھے کھانے پر بلایا' اس وقت جو چیزیں میرے سامنے لائی گئیں ان میں ایک پلاؤ بھی تھا۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میری زبان اس بہشتی نعمت سے لذت اندوز ہوئی۔ میں پلاؤ کھا رہا تھا' مسحور ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ غور کر رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس قوم کا مذاق کھانے کے معاملہ میں اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے' دین اور روحانیت کے معاملہ میں اس کا معیار کتنا کچھ پاکیزہ اور لطیف نہیں ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے نہ کسی ملا نے مسلمان کیا اور نہ کسی صوفی نے۔ میں تو حضرت پلاؤ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔ کسی شخص کے قبول اسلام کے معنی یہ ہیں کہ وہ ساری دنیا سے اونچا ہو جاتا ہے اور پھر اس کی زندگی میں جس قدر بھی اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی دنیا بھر کے عملوں سے اونچے ہوتے ہیں۔

..................(۲۰)..................

سلیمان شاہد مفسر (امریکہ) قبول اسلام کے بعد کہتے ہیں کہ ''اسلام کا نظریۂ اخوت کوئی بے جان تصور نہیں ہے بلکہ زبردست عملی قوت ہے۔''

..................(۲۱)..................

سیف الدین ڈرک والٹر موسگ Saifuddin Dirk Walter Mosig برلن کے عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے سن پیدائش ۱۹۴۳ء ہے اپنے قبول اسلام کی داستان بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ''اسلام کے سامنے دوسرے مذاہب کی مثال وہی ہے جو سورج کے سامنے ماچس کی تیلی کی ہوتی ہے۔ میں پورا یقین رکھتا ہوں کہ جو شخص قرآن کو سمجھ کر پڑھے گا وہ ان شاء اللہ اسلام قبول کر لے گا۔''

..................(۲۲)..................

صلاح الدین بورڈ Salahuddin Board ۱۹۲۰ء میں ایک برٹش رسالے افریقن ٹائمز اینڈ اورینٹ ریویو' میں اسلام کے حوالے سے چھپنے والے ایک مضمون کو پڑھ کر اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مضمون کا ایک جملہ میرے سینے میں پیوست ہو گیا اور وہ تھا ''لا الہ الا اللہ'' یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ جملہ میرے لئے کیا حقیقتاً متاع عظیم ہے۔ میرا ایمان ہے کہ عربوں میں یہ انقلاب ان کے خدا نے' قرآن نے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا کیا تھا اور یہی نسخہ کیمیاء تھا جس نے انہیں صدیوں تک عزت وشرف کی مسند پر بٹھائے رکھا۔

..................(۲۳)..................

ڈاکٹر طارق احمد راشد ایک عیسائی پادری تھے قبول اسلام سے قبل ان کا نام ڈاکٹر کیتھ کریگ تھا ۱۹۳۵ء میں امریکہ میں پیدا ہوئے وہ کہتے ہیں کہ قبول اسلام کے حوالے سے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عین اس دور میں جب میں مبلغ کی حیثیت سے اپنی خدمات جوش وخروش سے انجام دے رہا تھا میں عیسوی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا اور شک کی یہ لہر بڑھتی ہی چلی گئی۔ مسیح کا خدا ہونا' عقیدہ تثلیث یعنی ایک میں تین اور تین میں ایک ہونا اور سب سے بڑھ کر ''خدا'' کا دشمن کے ہاتھوں مصلوب ہونا' ان عقائد نے مجھے سخت پریشان کیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جوں جوں مطالعہ کیا اور رفقاء سے گفتگوئیں کیں یہ گتھی الجھتی چلی گئی۔ تنگ آ کر تقابل ادیان کی ٹھانی اور اسلام کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ یہ معلومات تعصب سے آلودہ تھیں پھر بھی ذہن بے اختیار اس اجنبی مذہب سے خاصا متاثر ہوا۔ اسلامی طریق عبادت اور اس کے فلسفے نے میری روحانی پیاس بجھا دی اور ۱۲ دسمبر ۱۹۸۳ء کو اسلامک سنٹر جا کر میں نے اسلام قبول کر لیا۔

..................(۲۴)..................

مولانا عبدالرحمٰن کا اصل نام رام سرن تھا وہ لالہ نند لال ریہان کھتری کے بیٹے تھے۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۳ء کو جالندھر کی نواحی بستی میں پیدا ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد کراچی میں مقیم ہوئے۔ مسلک اہل حدیث کے عالم بنے ان کا کہنا ہے کہ ایک دن میں سو کر اٹھا تو

بے اختیار میرے منہ سے لا الہ الا اللہ نکلا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں سچی اور پکی توحید موجود ہے۔انہوں نے تحقیق وجستجو کے بعد ۴ اپریل ۱۹۳۳ء کو اسلام قبول کیا۔

..............................(۲۵)..............................

عبداللہ بیٹرزبی Abdullah Battersbey کہتے ہیں کہ میں برما میں مقیم تھا۔ کشتی میں سوار ہو کر ندیوں اور دریاؤں میں گشت کرنا میرا سرکاری معمول تھا۔ کشتی کا ملاح چٹاگانگ کا ایک مسلمان شیخ علی تھا۔ شیخ علی زبردست قسم کا ملاح اور باعمل مسلمان تھا۔ نماز کا وقت آتا تو وہ سارے کام چھوڑ کر نہایت وقار اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتا۔ نیکی اور فرض شناسی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انہی خوبیوں نے اس کی شخصیت کو میرے نزدیک بے حد محترم بنا دیا تھا۔ تاہم میں شیخ علی کے پیکر میں اسلام کو مجسم صورت میں دیکھتا رہتا تھا۔

یہ جان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اسلام خدا کی وحدانیت کا قائل ہے جبکہ عیسائیت کے نظریہ تثلیث سے مجھے خود بھی الجھن ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام ہی دنیا کا سچا مذہب ہے اور لا الہ الا اللہ میں فطری اپیل ہے۔ میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا۔الحمد للہ! آج میں مسلمان ہوں اور کروڑوں افراد کی ایک متحد برادری کا فرد۔

..............................(۲۶)..............................

پروفیسر عبداللہ ہینل امریکہ کے ایک مشہور مصنف و مفکر ہیں قبول اسلام سے قبل ان کا نام پروفیسر ہینل ہیوٹ تھا ان کا کہنا ہے کہ میرا اسلام قبول کر لینا کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی ترغیب یا لالچ کا دخل ہے۔ میرے خیال میں یہ ذہن کی قدرتی تبدیلی اور ان مذاہب کے وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے جو انسانی عقلوں پر قابض ہیں مگر یہ تبدیلی اس شخص میں پیدا ہو سکتی ہے جس کا دل و دماغ مذہبی تعصب سے پاک ہو اور صاف دل کے ساتھ اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکتا ہو۔

اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تنگ نظری اور تعصب کا شدید مخالف ہے۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبوں ہی کے ساتھ مروت اور محبت کی ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ کل

بنی نوع انسان کے ساتھ خواہ وہ کسی بھی مذہب وملت سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں ہمدردی ومساوات کا حکم دیتا ہے۔ وہ تفریق کا نہیں بلکہ اتحادِ انسانی کا قائل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ انسان کو انسانیت کا سبق پڑھایا ہے۔(روزنامہ وفاق یکم جون ۱۹۷۶ء)

..............................(۲۷)..............................

سر عبداللہ آرکیبالڈ ہملٹن Sir Abdullah Archibald Hamilton انگلستان میں ایک سیاست دان تھے۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۳ء کو مسلمان ہوئے ان کا تجزیہ ہے کہ ' اسلام بڑی باوقار اور متوازن زندگی کا علمبردار ہے یہ نہ تو انسان کو مجبور محض سمجھتا ہے نہ مادر پدر آزادی کا قائل ہے بلکہ سعی و جہد احتیاط اور عقل وفہم کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ایسا معاشرہ برپا کرتا ہے جہاں قوانین کی سیادت تسلیم کی جاتی ہے اور ذہانت اور سوجھ بوجھ کے ساتھ ان پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

..............................(۲۸)..............................

ڈاکٹر عبداللہ علاؤ الدین (جرمنی) میں ایک جرمن جہاز ران کی رپورٹ پڑھ رہا تھا جسے مشرق وسطی کے اکثر ممالک دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ جرمن جہاز ران نے اپنی معلومات کا سکہ بٹھانے کے لئے سورۃ اخلاص کا متن اور ترجمہ بھی لکھ دیا تھا۔ اس کے جرمن ترجمہ پر جب میری نظر پڑی تو میں حقیقت کو اس طرح سامنے پا کر دنگ رہ گیا' لکھا تھا!''اے پیغمبر کہہ دو اللہ صرف ایک ہے (وہی اللہ جسے بنی نوع انسان ابتداءِ آفرینش سے ڈھونڈتی چلی آ رہی ہے) نہ اللہ کو کسی نے جنا' نہ اللہ ہی نے کسی کو جنا' اس دنیا میں اس کی کوئی مثل ہی نہیں۔''میں نے زندگی میں پہلی بار پڑھا کہ نہ اللہ کو کسی نے پیدا کیا اور نہ ہی اللہ نے اپنا کوئی بیٹا پیدا کیا۔ یہ آیت پوری طرح میری سمجھ میں آ گئی۔

..............................(۲۹)..............................

مولانا عبید اللہ سندھی کا کہنا ہے کہ 9 ذی الحجہ 1304ھ کو کوٹلہ رحم شاہ (مظفر گڑھ) میں میری سنت تطہیر ادا ہوئی۔ وہیں معلوم ہوا کہ میرے اعزاء میری تلاش میں جگہ ... کی طرف روانہ ہو گیا اور بھر چونڈی شریف میں

حضرت حافظ الملت جنید وقت حافظ محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچ گیا جو اپنے وقت کے جنید ثانی اور سیّد العارفین تھے۔

چند ماہ بھرچونڈی شریف میں حضرت حافظ صاحب کی صحبت میں گزرے۔ فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرت نے ایک روز میرے سامنے اپنے لوگوں کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا "عبید اللہ نے اللہ کے لئے ہمیں اپنا ماں باپ بنالیا ہے۔" اس کلمہ مبارک کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور انہیں کی خاطر میں نے سندھ کو اپنا مستقل وطن بنالیا اور سندھی کہلوایا۔ میں نے قادری راشدی طریقہ میں حضرت سے بیعت کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ محسوس ہوا کہ بڑے سے بڑے انسان سے کبھی مرعوب نہیں ہوا۔ ان کے مزید احوال جاننے کے لئے پیر سید محمد فاروق القادری کی کتاب "جام عرفان" یا "حضرت پیر عبدالرحیم شہید" کا مطالعہ مفید ہے نیز ڈاکٹر محمد بخش قمر کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "شمس الطریقت والشریعت فی الآثار حضرت حافظ الملت" کا مطالعہ بھی معلومات افروز ہے۔

.............(۳۰).............

ڈاکٹر نشی کانت چٹوپادھیا بنگال کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معزز ہندو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ڈاکٹر عزیز الدین کے نام سے مشہور ہوئے ان کا کہنا ہے کہ یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کے بارے میں کوئی بات مبہم اور دھندلی نہیں اور نہ پراسرار یا دیومالائی ہے جیسا کہ مثال کے طور پر زرتشت' سری کرشن حتیٰ کہ بدھ اور مسیح کی زندگیاں نظر آتی ہیں۔ بعض دیگر پیغمبروں کے وجود تک کے بارے میں اہل علم نے شکوک وشبہات بلکہ انکار کا اظہار کیا ہے مگر جہاں تک میں جانتا ہوں کسی شخص نے بھی پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ کہنے کی جسارت نہیں کہ وہ توہماتی شخصیت ہیں یا وہ جنوں پریوں کی داستان سے مشابہ ہیں۔ اس مقام پر ڈاکٹر چٹوپادھیا نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا ہے۔ "واہ! کس قدر تسکین کی بات ہے کہ آخر کار انسان کو صحیح معنوں میں ایک ایسا پیغمبر مل جائے جس کی تاریخ شہادت دیتی ہو اور جس پر وہ ایمان لا سکے۔"

مذہب اسلام کی پہلی خصوصیت جس نے مجھے غیر معمولی انداز میں متاثر کیا وہ اس

کی تاریخی حیثیت ہے۔ اس مذہب کی بنیاد ایک ایسی کتاب پر استوار ہے جس میں صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک معمولی سی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس کتاب کو قصوں' کہانیوں' غیر مربوط پیش گوئیوں اور شاعرانہ انداز کی سوانح عمریوں کا ایک غیر متجانس مجموعہ نہیں سمجھنا چاہئے جو مختلف زمانوں میں ترتیب دیا گیا' جس کے الگ الگ اور متعدد مصنف تھے اور جس کو ایک سانچہ میں خدا جانے کب اور کس طرح ڈھال لیا گیا؟ بلکہ یہ کتاب ایک صحیفۂ واحد ہے اور اس میں ایسا حیرت انگیز تسلسل اور یک رنگی ہے کہ کوئی بھی غیر متعصب اور منصف مزاج انسان اس کے برحق ہونے میں شبہ نہیں کر سکتا۔ پھر اس کا پُرشکوہ مگر سادہ اسلوب انسانی نفسیات کے عین مطابق مسائل کا ادراک اور مادی و روحانی معاملات میں انسان کی مکمل اور قابل عمل رہنمائی' اسے ایک ابدی رہنما کتاب ماننے پر مجبور کرتی ہے۔

یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کے بارے میں کوئی بات مبہم اور دھندلی نہیں' نہ پراسرار یا دیومالائی ہے جیسا کہ مثال کے طور پر زرتشت' سری کرشن' حتیٰ کہ بدھ اور مسیح کی زندگیاں نظر آتی ہیں۔

.............(۳۱).............

ڈاکٹر علی سلمان بینواسٹ (فرانس) Dr. Ali Salman Benoistk۔ آپ فرنچ کیتھولک برادری کے ایک فرد تھے ڈاکٹر آف میڈیسن کی حیثیت سے سائنسی اور منطقی مزاج کے حامل تھے خاص فلاسفی ان کے پیش نظر تھی قبول اسلام کے بعد ان کا تاثر دیکھئے وہ کہتے ہیں کہ جب مجھے پتا چلا کہ اسلام میں توحید باری بنیادی عقیدہ کی حیثیت سے شامل ہے تو میں چونک اٹھا' مزید جستجو کی تو پتہ چلا کہ میں اسلامی کلمہ کے ایک جزو لا الہ الا اللہ کا تو پہلے ہی قائل چلا آ رہا تھا اور قرآن کے اس قول فیصل پر مکمل یقین رکھتا تھا۔ قُل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصّمد لَم یَلد ولَم یُولد ولم یکن لہٗ کفواً احد "یعنی خدا ایک ہے' وہ بے نیاز ہے' اس کا کوئی بیٹا ہے نہ باپ ہے اور کوئی اس کا کسی اعتبار سے ہم پلہ نہیں ہے۔"

.............(۳۲).............

علی محمد موری (جاپان) Ali Muhmamad Mori پائی چنگ کے قریب ایک

صحرائی نخلستان میں بسنے والے مسلمانوں کی بود و باش اور طرز زندگی سے متاثر ہو کر مسلمان ہونے والے علی محمد موری کا کہنا ہے کہ خصوصاً میں اسلام کے نظامِ اخوت سے بہت متاثر ہوا سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خدا نے انہیں باہمی طور پر محبت اور ہمدردی سے رہنے کی تاکید کی ہے۔ میرا یقین ہے کہ دنیا کو آج اسی قسم کی اخوت کی اشد ضرورت ہے۔

..............(۳۳)..............

ڈاکٹر عمر رولف اہرنفلس Dr. Umar Rolf Baron Ehrenfels پراگ کے باسی تھے زراعت پیشہ انسان تھے۔ ۱۹۲۷ء میں اسلام قبول کیا اور حیدر آباد دکن آ گئے۔ پڑھے لکھے ہی نہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تھے مدارس یونیورسٹی میں شعبہ علم الانسان کے ڈین رہے ان کی متعدد کتابوں کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کا تاثر ملاحظہ ہو قرآن کے مطابق سارے مذاہب کی بنیاد ایک ہے بعد میں انسانوں نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اسلام اخوت اور انسانی بھائی چارے پر زور دیتا ہے۔ وہ مساوات کا علمبردار ہے' نسل یا رنگ کا امتیاز روا نہیں رکھتا۔ اس طرح اسلام نوع انسان کے لئے مجسمہ محبت و کرم ہے۔ یہی وہ روح ہے جو مسجد ایا صوفیہ اور مسجد محمد فاتح کے میناروں اور گنبدوں میں نظر آتی ہے اور اسی روح کا اظہار حضرت محمد ﷺ کے اس قولِ مبارک میں ہوتا ہے کہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔"

..............(۳۴)..............

عمر فاروق عبداللہ امریکہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں مسلمان ہوئے شکاگو یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی وہ کہتے ہیں میں نے قرآن پاک کے ایک انگریزی ترجمہ کا مطالعہ کیا جو غنیمت تھا اور جس میں حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے حالات بھی درج تھے' مجھے یقین کرنا پڑا کہ بے شک آپ پیغمبر اور رسول ہیں' کیوں کہ بائبل میں پیغمبروں کی جو خصوصیات درج تھیں ان پر آپ پورا اترتے تھے۔ اتفاق سے ایک جمعہ تھا جس دن کہ میں ایمان لایا اور مسلمان ہوا۔ ہاں میں بغیر کسی مسلم کی مدد کے اور دعوت کے مسلمان ہوا صرف اپنے ذاتی مطالعہ کی وجہ سے۔

..............(۳۵)..............

پروفیسر غازی احمد سابق کرشن لال گورنمنٹ کالج بھوچھال کلاں ضلع جہلم میں

پرنسپل رہے خواب میں دو مرتبہ زیارت نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوئے اور آپ ﷺ کی دعوت پر ہی اسلام قبول کیا۔ راقم (محبوب الرسول قادری) نے ان کا مفصل انٹرویو بھی کیا ان کا کہنا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اپنے اندر بہت بڑا ذہنی اور روحانی انقلاب محسوس کیا ورنہ اس سے پہلے میں متوسط ذہن کا مالک تھا۔ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دینی و دنیاوی ترقی کے دروازے کھول دیئے۔

..............(۳۶)..............

ڈاکٹر غریبہ فرانس نومسلم خاتون تھیں جب ان سے پوچھا گیا کہ ڈاکٹر! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں۔ "قرآنِ پاک کی صرف ایک آیت" ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل' تاریکی پر تاریکی مسلط ہے' آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے۔" (سورۃ توبہ' آیت نمبر ۴۰)

جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور اندازِ بیان کی واقفیت سے بے حد متاثر ہوا اور میں نے خیال کیا کہ حضرت محمد ﷺ ضرور ایسے انسان ہوں گے جنہوں نے شب و روز سمندروں میں گزارے ہوں گے۔ لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ عربی تو "امی محض" تھے اور انہوں نے زندگی بھر کسی سمندر کا سفر نہیں کیا تھا۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہو گیا۔ (بحوالہ کتاب اسلام زندہ باد)

..............(۳۷)..............

محترمہ فاطمہ ہیرین Fatima Hareen جرمنی میں ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئیں وہیں اسلام سے متعارف ہوئیں اسلام قبول کر لیا شادی کے بعد کچھ عرصہ کراچی میں مقیم رہیں اور پھر واپس جرمنی میں چلی گئیں ان کا کہنا ہے کہ میں روحانی طور پر اپنے آپ کو زخم خوردہ محسوس کر رہی تھی۔ چنانچہ جب اس نوجوان نے لفظ اسلام کے معنی کی وضاحت کی یعنی بغیر کسی خارجی جبر کے اللہ کی حاکمیت کے آگے سر جھکا دینا' تو یوں لگا جیسے میرے اندر

کوئی روشنی سی کروٹیں لینے لگی ہے۔

یہ ساری داستان سنانے کا واحد مدعا یہ ہے کہ مغرب کی ساری چمک دمک اور خوشحالی اسلام کی نعمت خداوندی کے سامنے قطعی ہیچ ہے' اسی میں روحانی خوشی ہے' اسی میں دنیاوی برکتیں ہیں اور اسی میں اخروی نجات ہے۔

.....................(۳۸).....................

علامہ محمد اسد کا تعلق پولینڈ سے تھا وہ ۱۹۲۶ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے قبول اسلام سے قبل ان کا نام لیوپولڈویس تھا قبول اسلام کے بعد سعودی عرب چلے گئے چھ سال تک اس پاک سرزمین پر گزارے۔ ۱۹۹۲ء میں ان کی رحلت سپین میں ہوئی انہوں نے اپنے قبول اسلام کی داستان سنائی اور مختصراً یہ کہ اپنے ماموں کے گھر کے سامنے ایک کھلے صحن میں عربوں کو دن میں کئی مرتبہ نماز پڑھتے دیکھتا تھا ان کی باوقار حرکات وسکنات اور غیر معمولی ڈسپلن نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ اسلامی طریق عبادت کے بارے میں ان کے امام سے میری جو گفتگو ہوئی سچی بات یہ ہے کہ اس نے میرے لئے اسلام کا پہلا دروازہ کھول دیا۔

.....................(۳۹).....................

محمد المہدی (انگلستان) کہتے ہیں کہ میں نے اسلام فوراً ہی قبول نہیں کیا۔ منطق و دلیل کی سخت رہنمائی میں میں نے مہینوں تک اسلام کے ایک ایک پہلو کا مطالعہ کیا۔ مختلف اصحاب سے گفتگوؤں کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اس کے لئے میرے مسلم دوستوں نے بہت تعاون کیا۔ چنانچہ اسلام کی تعلیم میں نے تدریج سے حاصل کی۔

.....................(۴۰).....................

محمد الیگزینڈر رسل ویب ۱۸۴۶ء میں نیویارک کے قریب ہڈسن نامی گاؤں میں پیدا ہوئے صحافی تھے کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ۱۸۸۷ء میں مینا (فلپائن) میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے قونصل مقرر ہوئے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کے نور سے اپنے اریک دل کو روشن کرلیا ۱۹۱۶ء میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے قبول اسلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ یاد رہے کہ میں نے اسلام کسی جذباتی ردِعمل' اندھی عقیدت یا محض سطحی

جوش سے متاثر ہو کر قبول نہیں کیا بلکہ اس کے پیچھے ایک طویل' مسلسل' مخلصانہ' دیانت دارانہ اور قطعی غیر متعصبانہ مطالعہ اور تحقیق کارفرما ہے اور سب سے بڑھ کر تلاش حق کی بے پایاں آرزو نے اس منزل تک میری رہنمائی کی۔

.....................(۴۱).....................

محمد امین انگلستان کہتے ہیں کہ شب و روز کا یہ مشاہدہ میرے لئے سخت تکلیف کا باعث تھا کہ عیسائیت رنگ ونسل کے فتنے میں بہت بری طرح ملوث ہے۔ سیاہ فام عیسائیوں کے گرجے سفید فام عیسائیوں سے الگ ہیں اور اگر کسی مقام پر ایک ہی گرجا ہے تو سفید فام اگلے حصے میں مخملیں صوفوں اور کرسیوں پر براجمان ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ سیاہ فام پچھلے حصے میں دریوں یا لکڑی کے تختوں پر بیٹھتے ہیں' اس کے مقابلے میں اسلام میں گورے کالے یا عربی عجمی کا کوئی امتیاز نہیں۔ مسجد میں سب مسلمان بلاتمیز نسل و رنگ ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے دنیا کے مختلف ممالک میں یہی دیکھا ہے کہ سارے مسلمان خواہ وہ افغان ہوں یا عرب' ترک ہو یا مصری' مراکشی ہوں یا انڈونیشی یا پاکستانی سب ایک دوسرے کو دین کی بنیاد پر بھائی بھائی سمجھتے ہیں اور محض طبقے کی وجہ سے ان میں باہم کوئی تفریق نہیں۔

.....................(۴۲).....................

محمد سلیمان ٹاکچی قبول اسلام کے بعد اپنے تاثرات یوں پیش کرتے ہیں کہ میں نے اسلام میں اخوت کا ایسا نظام دیکھا ہے جو مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے مسائل کا بڑا کامیاب عملی حل پیش کرتا ہے۔ یہ عبادات کو انسان کی سماجی زندگی سے الگ نہیں کرتا' بلکہ مسلمان تو اجتماعی عبادت کا تصور رکھتے ہیں۔ اسلام انسانی زندگی میں مادیت اور روحانیت کا خوبصورت امتزاج پیش کرتا ہے۔

.....................(۴۳).....................

محمد صدیق انگلستان ۲۸ ستمبر ۱۹۵۸ء کو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے انہوں نے اپنے قبول اسلام کی روح پرور داستان بیان کی ذیل کا اقتباس یقین انٹرنیشنل کراچی بابت

۷ اکتوبر ۱۹۶۸ء سے ملاحظہ ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے فرصت کے اوقات میں اس لٹریچر کا مطالعہ کیا تو یوں لگا جیسے گھپ اندھیروں میں روشنی کی ایک پاکیزہ کرن میرے سینے میں اتر آئی ہے۔ میں نے حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے خدا کو پہچان لیا۔ میں نے دیکھا کہ قرآن میں ہر وہ چیز موجود ہے، جس کی انسان کو ضرورت ہے۔ قانون، ضابطہ حیات، رہنما اصول اور سب سے بڑھ کر عقل و شعور کی کارفرمائی۔ یہ عقل و شعور ہی ہے جو حق یعنی صدق کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

..................(۴۴)..................

محترمہ مریم جمیلہ قبول اسلام سے قبل ایک لکھی پڑھی یہودن خاتون تھیں طبعاً نیک خو تھیں وہ رقم طراز ہیں کہ مشکوٰۃ کے تفصیلی مطالعے کے بعد مجھے اس حقیقت میں ذرہ برابر شبہ نہ رہا کہ قرآن وحی الٰہی ہے اس بات نے اس امر کو تقویت دی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ محمد ﷺ کی دماغی کاوش کا نتیجہ نہیں۔

پھر نبی ﷺ کی دن بھر کی مصروفیات کی تفصیل نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ دن کا ایک لمحہ ضائع نہ کرتے اور سارا وقت اللہ اور اس کی مخلوق کے لئے وقف رکھتے۔ ان کا اپنی بیویوں سے سلوک نہایت منصفانہ اور مثالی تھا، انصاف اور عدل اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ان کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جائز ضرورت کے تحت ایک غلام کے لئے درخواست کی تو انہیں تقویٰ کی تلقین کی اور اپنے کنبے پر دیگر مسلمانوں کی ضرورتوں کو ترجیح دی۔

..................(۴۶)..................

''ذیل میں تین نومسلموں (مصطفیٰ یوسف، فارض رحمت اللہ، عائشہ عبداللہ) کے تاثرات نقل کیے جارہے ہیں۔ یہ مضمون مصر کے ایک عربی رسالے سے سعید منصور صاحب نے ترجمہ کیا جو اُردو ڈائجسٹ (جولائی ۱۹۷۰ء) میں شائع ہوا۔

''آخر اسلام میں ایسی کیا خوبی نظر آئی کہ آپ نے اسے قبول کرلیا؟'' میں نے پوچھا۔ ''ہم مدت تک اسلام کا گہرا مطالعہ کرتے رہے اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام ہی سچا دین ہے، عقلی تقاضوں کے عین مطابق، انسانیت کا دین، خاندان اور معاشرے کا

دین........'' انہوں نے جواب دیا۔

ان میں سے فارض رحمت اللہ کا کہنا ہے کہ یوں محسوس ہوا جیسے میری فطرت اسی طریق زندگی کی تلاش میں تھی۔ قرآن کے مطالب پر غور و تدبر میں اضافے کے ساتھ ساتھ واضح ہوتا چلا گیا کہ اسلام کی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔

میری والدہ نے جب سنا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں نے انہیں اسلامی تعلیمات بتائیں تو وہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئیں۔

الحمد للہ اب میں مسلمان ہوں۔ ایک ایسے دین کا پیروکار جو سراپا صداقت ہے۔ مکمل نظامِ زندگی پیش کرتا ہے، جس میں تین خداؤں کی بجائے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہوتی ہے اور بالکل پیغمبر اسلام کے طریقے پر، جس میں کسی آسمانی کتاب یا پیغمبر کا انکار نہیں کیا جاتا اور جس میں بت پرستی کا کہیں شائبہ تک نہیں ہے۔

..................(۴۶)..................

میوس بی جولی Mavis B. JobIly ایک عیسائی گھرانے کی بچی تھی۔ تحقیق، جستجو اور دلائل کی بناء پر اسلام قبول کیا ان کا کہنا ہے کہ میں اعتراف کرتی ہوں کہ ہر سکتے پر میرے اندر اسلام کی مخالفت کا جذبہ دم توڑتا گیا۔ اگرچہ یہ بات ناممکن لگتی تھی، مگر میں یہ تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکی کہ انسانی زندگی میں مکمل انقلاب ایک فرد واحد محمد ﷺ ہی نے برپا کیا تھا جبکہ بیسویں صدی کے تمام تر وسائل کے باوجود آج کی بہترین حکومتیں اس انقلاب کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں اور تہذیبی و فکری اصلاح کے لئے اسلام کی مرہونِ منت ہیں۔

..................(۴۷)..................

۱۶ نومبر ۱۹۱۸ء کو اسلام قبول کرنے والے لارڈ ہیڈلے فاروق کا سن پیدائش ۱۸۵۵ء ہے پیشہ کے اعتبار سے انجینئر تھے کیمبرج سے اعلیٰ تعلیم پائی فوج میں اعلیٰ منصب پر رہے کئی کتابوں کے مصنف ہیں اسلامی نام شیخ رحمت اللہ ہیڈلے الفاروق مشہور ہوا وہ کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ میں اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے دور نہیں ہوا بلکہ صحیح عیسائیت کے قریب آیا ہوں اور اپنے آپ کو پہلے سے

بہتر عیسائی محسوس کرتا ہوں۔ میں توقع کرتا ہوں کہ میرے سابق ہم مذہب اس مثال کی تقلید کریں گے کہ یہی میرے خیال میں بہترین روّیہ ہے اس اقدام سے انہیں وہی مسرت حاصل ہوگی جو عیسائیت سے دور جانے کے مقابلے میں اس کے قریب آنے والے کو حاصل ہوسکتی ہے۔

.........................(۴۸).........................

یوسف مظفر الدین شمالی امریکہ کے مشہور پبلشر تھے قبول اسلام کے بعد اسلامک پارٹی قائم کی اپنی قبول اسلام کی داستان بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے مذاہب اور کمیونزم کا مطالعہ شروع کیا۔ کمیونزم کے سلسلے میں تو مجھے وہی پہلی دقت درپیش ہوئی کہ وہ میرے روحانی تقاضوں کا کوئی جواب نہیں دیتا۔ اسلام کا مطالعہ کیا تو راستے روشن ہونے لگے' الجھی ہوئی ایک ایک گرہ سلجھنے لگی۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے رابطے اور مطالعے سے معلوم کیا کہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ مکمل نظام زندگی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ اب تک کی ساری زندگی میں نے تاریکی میں گزاری ہے۔ حقیقی راستہ تو وہ ہے جو اب نظر آیا ہے' اسلام کی صورت میں مجھے منزل کا سراغ مل گیا۔

.........................(۴۹).........................

محترمہ ثریا ایسٹرن مشی گن یونیورسٹی امریکہ کی ایک سٹوڈنٹ تھیں قبول اسلام کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اللہ کا احسان ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل نے میری زندگی کے ہر پہلو کو مثبت طور پر تبدیل کیا ان میں سے بعض تبدیلیاں واضح اور انقلابی نوعیت کی ہیں جبکہ بعض کا تعلق ذہن اور ارادے سے ہے اور وہ اسی نسبت سے لطیف اور غیر نمایاں ہیں۔

.........................(۵۰).........................

پروفیسر رجاء گارودی فرانسیسی فوجی' دانشور' سیاست کار اور مصنف تھے فرانس سینیٹ کے رکن رہے فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کے چیئرمین رہے انہوں نے ہر طرح کے تعصب سے نجات پائی تو اسلام قبول کئے بغیر نہ رہ سکے وہ کہتے ہیں کہ مسلسل مطالعے'

غور وفکر اور مغربی تہذیب' کمیونزم اور صیہونیت اور اسلام کے تقابلی تجزیے کے بعد میں بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ہی وہ دین واحد ہے جو عقلی اور وجدانی دونوں اعتبار سے خدا کی وحدانیت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

.........................(۵۱).........................

عبدالمجید ابراہیم وسطی امریکہ کے ایک عیسائی تھے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اسلامک سنٹر میں پہنچا تو لائبریری ہال میں مختلف قومیتوں کے نوجوانوں پر مشتمل ایک گروپ حلقہ بنائے بیٹھا تھا۔ جس چیز نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ ان لوگوں کی سادگی اور آپس کا غیر معمولی اخلاص اور باہمی محبت تھی میرے وجدان نے کہا کہ جس منزل کی میں تلاش میں تھا وہ مجھے مل گئی چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ میں حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

.........................(۵۲).........................

عبداللہ اڈیار کہتے ہیں کہ آخر میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور قرآن مجید کے انگریزی ترجمے نے میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے غبار کو دھو دیا مجھے میرے سوالات کے جوابات مل گئے۔ خوف اور مایوسی کی فضا تحلیل ہوگئی۔ قرآن کی اس تعلیم نے میری بڑی ڈھارس بندھائی کہ "خوف صرف خدا کا ہونا چاہئے اور اس سے ڈرنے والے پھر کسی سے نہیں ڈرتے" میں مطمئن ہوگیا کہ اسلام واقعی مکمل اور فطری ضابطہ حیات ہے اور اس میں انسانوں کی مادی اور روحانی مشکلات کو حل کرنے کی بھرپور صلاحیت ہے۔

.........................(۵۳).........................

ڈاکٹر عطاء اللہ بوگڈان کوپانسکی بیان کرتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے میں نے ترکی جانے کا عزم کرلیا۔ استنبول پہنچا اور ایک مسجد کے میناروں سے زندگی میں پہلی بار اذان کی آواز سنی تو گویا مبہوت ہو کے رہ گیا۔ آواز اور الفاظ میں وہ کشش تھی کہ میں بے اختیار مسجد کی طرف کھنچتا چلا گیا اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ جا کر صف میں کھڑا ہوگیا۔ نماز ختم ہوئی تو

میں اسی چھوٹی سی مسجد میں امام صاحب کے پاس پہنچا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

............(۵۴)............

محترمہ فاطمہ (چیکوسلواکیہ) کا بیان ہے کہ مجھے یقین ہوگیا کہ حضرت محمد ﷺ فلسفی نہیں تھے' اللہ کے سچے پیغمبر تھے۔ اسلام ان کے ذہن کی پیداوار نہیں' بلکہ وحی الٰہی کا نتیجہ ہے۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس کی طرف اللہ نے شروع ہی سے انسانوں کی رہنمائی کی ہے اور آج بھی صرف اسی مذہب میں یہ حوصلہ ہے کہ زمانے کے مسائل کا سامنا کر سکے اور دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھے۔ اس یقین کے فوراً بعد میں نے اسلام قبول کرلیا۔

............(۵۵)............

۲۰ جون ۱۹۶۹ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں اسلام قبول کرنے والے پیٹرک ڈیوڈ جن کا اسلامی نام عامر علی داؤد رکھا گیا نے کہا کہ قرآن کے بعد میں نے اسلام کے موضوع پر بہت سی دوسری کتابیں بھی پڑھیں اور میرا یہ خیال یقین کی صورت اختیار کرتا چلا گیا کہ قرآن اور اسلام کا پیغام فطری' مکمل اور آفاقی ہے' اس کا خطاب براہ راست عوام الناس سے ہے' اس کی رسائی انسان کی پوری زندگی اور نفسیات تک ہے اور یہ امر حق الیقین تک پختہ ہوگیا کہ نظریاتی اعتبار سے اسلام دنیا کے ہر مذہب سے بہتر مذہب ہے۔ "بلاشبہ اسلام ہی آخری' مکمل اور سچا دین ہے۔ یہ درست ہے کہ اہل اسلام آج اپنی ذاتی کوتاہیوں' اسلامی اصولوں سے انحراف اور دنیوی لہو و لعب میں آلودہ زندگی بسر کرنے کے سبب عالمی برادری میں اپنی امتیازی مقام کھو چکے ہیں' لیکن یہ بات کسی شخص یا اشخاص کے ذاتی 'انفرادی یا اجتماعی اعمال کی ہے' اس کا اسلام کے بنیادی' ٹھوس اور غیر متزلزل اصولوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

............(۵۶)............

عربی جریدہ "حضارۃ الاسلام" دمشق میں شائع ہونے والے انٹرویو کا زیر نظر اقتباس محترمہ عائشہ برجٹ کہنی کے قبول اسلام کے بعد کا تاثر ہے جو کراچی کے رسالہ "چراغ راہ" میں بھی شائع ہوا وہ کہتی ہیں "اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی مثال جیومیٹری کے ایک ایسے نقشے

کی ہے' جس کا ہر جزو دوسرے جزو کی تکمیل کرتا ہے اور نقشے کا اصلی حسن تمام اجزاء کے تناسب اور ربط و تعلق میں ہوتا ہے۔ اسلام کی یہی وہ خصوصیت ہے جو انسانوں پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ ذرا فاصلے سے دیکھیں تو انسانی ارادوں' مقاصد' اعمال اور عام اشیاء کی عمومیت میں اسلام گہری بصیرت کا ثبوت دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے سیاسی اور حکومتی نظام کا مطالعہ کریں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اگر سماجی و انفرادی نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ سچی اخلاقیات کی مشعل لئے ایک ایک پہلو میں زندگی کی صاف اور سیدھی شاہراہ کی طرف رہنمائی کرتا ہوا دکھائی دے گا اور ان معاملات میں دنیا کا کوئی اور مذہب یا نظام اس سے لگا نہیں کھاتا۔ مسلمان جب بھی کوئی کام کرتا ہے اللہ کا نام لیتا ہے' جب اللہ کا نام لیتا ہے تو اس حوالے سے اپنا احتساب بھی کرتا ہے اور یوں وہ بہت اونچے معیار کو پالیتا ہے۔ اس طرح روزمرہ زندگی اور مذہبی تقاضوں میں کوئی بعد باقی نہیں رہتا' بلکہ دونوں میں ایک مناسب سا تعلق قائم ہوجاتا ہے جو متوازن بھی ہوتا ہے اور دونوں کے لئے بے حد ضروری بھی۔

............(۵۷)............

ڈاکٹر فاروق احمد جنوبی ہندوستان کے ایک ہندو تھے اسلام کے نظام معاشرت سے متاثر ہوئے ان کا انٹرویو سہ روزہ "دعوت" دہلی نے اپنی ۲۵ مارچ ۱۹۸۱ء کی اشاعت کی زینت بنایا ان کا کہنا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد میں نے موجودہ زندگی میں سب سے پہلے اطمینانِ قلب محسوس کیا اور سکون کی وہ مسرت پائی جو پہلے مجھے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ زیادہ کمانے اور دولت بنانے کی جس ہوس نے مجھے بے اطمینانی سے دوچار کر دیا تھا' جاتی رہی۔ اب قناعت کو میں نے بہت بڑی نعمت پایا ہے اور اس پر میں رب عظیم کا جتنا بھی شکر ادا کروں' کم ہے۔

............(۵۸)............

ڈاکٹر موریس بوکائیے کا تعلق فرانس سے ہے وہ محقق اور سرجن ہیں ان کا انٹرویو اخبار "العالم الاسلامی" مکہ مکرمہ میں شائع ہوا جس کا "یقین انٹرنیشنل" نے انگریزی میں چھاپا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دو سال کا عرصہ عربی زبان و ادب پر عبور حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیا اور پھر جب قرآن کو سمجھا اور اس کے مطالب پر غور وفکر کیا تو اس نتیجے پر

پہنچنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی کہ یہ کتاب واقعتاً خدا کا کلام ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔

............(۵۹)............

ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک نے نومبر ۱۹۸۲ء میں ایک مضمون شائع کیا جس میں فاضل مرتب بشیر محمود اختر ایک نومسلم یوسف اسلام جن کا تعلق انگلستان ہے کے الفاظ یوں مرقوم ہیں قرآن شریف کے مطالعے سے مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ میں جو مکمل نظامِ حیات تلاش کر رہا تھا اور جس حقیقت کے حصول کے لئے بھٹکتا پھر رہا تھا' وہ اسلام کی راہ پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ شک کے سب کانٹے نکل چکے تھے اور ایمان کے تازہ پھول کھلنے لگے تھے۔ میں کوئی ڈیڑھ سال تک قرآن شریف کو بار بار پڑھتا رہا اور سوچتا رہا کہ شاید میں اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں اور یہ میرے لئے تخلیق ہوا ہے۔

............(۶۰)............

پروفیسر صوفی محبوب الٰہی بننے والے نامور مورخ نے نومبر ۱۹۱۶ء میں اسلام قبول کیا ان کا آبائی تعلق گوجرانوالہ سے تھا ان کا کہنا ہے کہ مجھے پیغمبرِ اسلام کے اخلاق اور سیرت اور مثالی کردار نے متاثر کیا ہے۔

دنیائے اسلام کے یہ وہ ۶۰ خوش نصیب انسان ہیں جنہوں نے عرفان حق کے لئے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہا اسلام کا نور پایا اس سے اپنے قلوب و اذہان کو روشن اور منور کیا۔ اسلام پر استقامت اختیار کی اور پھر تادم واپسیں اسلام ہی پر کاربند و عمل پیرا رہے۔ اکثر نے روح اسلام سے شناسائی کے بعد اپنے آپ کو فروغ اسلام کے لئے وقف کر لیا۔ میرا خیال ہے نومسلموں کے حوالے سے اسلام کے حقیقی پُرنور چہرے کو دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ہمیں خاصی کامیابی نصیب ہوئی ہے اس مضمون کی تیاری میں ہم نے محترم ڈاکٹر عبدالغنی کی کتاب ''ہم مسلمان کیوں ہوئے؟'' سے استفادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

خواتین کے حوالے سے

قبول اسلام کی روح پرور اور ایمان افروز سچی داستانیں

اندھیرے سے اُجالے تک

تحقیق و تحریر...... مرزا مجاہد احمد (جامعہ پنجاب' لاہور)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ظہورِ اسلام سے لحۂ موجود تک دشمنانِ اسلام کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ بہرصورت شمع مصطفوی کو بجھا دیا جائے۔ اس مقصد کی خاطر جہاں انہوں نے قوت و طاقت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے لئے جدوجہد کی وہاں فکری محاذوں پر بھی اس کو ''ملیامیٹ'' کر کے دبانے کی کوشش کی مگر .... بھلا ہو شمع مصطفوی کے پروانوں کا' جنہوں نے بوقتِ ضرورت اپنی جانوں تک کا نذرانہ پیش کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہ کیا اور ان کی ناپاک سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ بقول کسے:

ستم گر ادھر آ ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

یورپ اور خاص طور پر امریکہ و برطانیہ میں فدایانِ اسلام میں اضافہ مخالفین اسلام کے لئے پریشان کن ہے۔ اس لئے وہ نئی نسل کو اسلام سے دور رکھنے کے لئے اس کی غلط تصویر پیش کر رہے ہیں اور اسلام پر طرح طرح کے من گھڑت الزامات لگا رہے ہیں۔

منجملہ الزامات کے ایک الزام جس کی تشہیر الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا پر کی جارہی ہے یہ ہے کہ ''اسلام تلوار سے پھیلا'' حالانکہ ساڑھے چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے تعلیم فرمودہ اخلاق

و کردار قرآن حکیم کی تجلیات و انوار اور غلامانِ مصطفی ﷺ کے نظریات و افکار سے پھیلا جبکہ دوسری اقوام کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے مذہب کے فروغ اور مذہب مخالف کا نام ونشان مٹانے کے لئے کس حد تک تلوار کا سہارا لیا۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے وقت بیس لاکھ مسلمانوں کا قتل عام' بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی' فلسطین میں لاکھوں عرب فلسطینی مسلمانوں کی جلاوطنی اور قتل عام' لبنان' اور غزہ میں اسرائیلیوں کا ظلم وستم اور کشمیر وعراق اور افغانستان میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی اس کا بین ثبوت ہے۔ بقول اکبرالٰہ آبادی۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

زیرنظر مقالہ دور حاضر کی اسی سے زائد غیر مسلم خواتین کے اسلام کے دامن رحمت میں آنے کے متعلق ہے۔ جنہوں نے نہ تو اسلام مال و دولت کی لالچ میں قبول کیا اور نہ ہی کسی خارجی دباؤ یا خوف سے۔ بلکہ ان میں سے اکثر تو قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اور صاحب قرآن ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور کچھ اسلامی لٹریچر اور مسلمانوں کے طرزِ معاشرت' حسن سلوک اور ان کی اسلامی تعلیمات پر مداومت و استقامت دیکھ کر حلقۂ بگوشِ اسلام ہوئیں۔ واضح رہے کہ اس مقالہ کی تیاری میں خاص طور پر ام فریحہ/سیف اللہ ربانی کی کتاب ''ہم کیوں مسلمان ہوئیں؟'' سے ان کے شکریہ اور دُعائے خیر کے ساتھ استفادہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

..........(۱)..........

اطالوی خاتون محترم عائشہ جن کا سابقہ نام اریکا تھا مسیحی کیتھولک تحریک کی ممبر تھیں۔ عیسائیت کے متعلق کئی اعتراضات ان کے ذہن میں کھٹکتے رہتے تھے۔ بیان کرتی ہیں کہ تیونس کے ایک مسلمان نے مجھے اطالوی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ دیا۔ جب میں نے مطالعہ شروع کیا تو اس میں صحیح توحید اور الٰہ واحد کا تصور پایا۔ جس کی مجھے تلاش

تھی اور یہ کہ خدا کی عبادت کیسے کرنا چاہیئے۔ قرآن پاک کا مطالعہ گہرائی سے کرنے کے بعد میرا دل اسلام کے لئے منشرح ہوگیا۔''

مسلمان عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''قرآن پاک کی صورت میں جو چیز تمہارے پاس موجود ہے اگر یورپین عورتیں اور نوجوان لڑکیاں اس خزانے سے واقف ہو جائیں تو وہ اسے تم سے لینے کے لئے جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔''

..........(۲)..........

امریکی خاتون محترمہ آمنہ جن کا سابقہ نام سنتھیا تھا عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی کوششوں سے ۳۵۰ افراد نے منشیات سے توبہ کی اور ۲۱ غیر مسلم مرد وزن دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔ انہوں نے کثرت سے اسلامی کتب کا مطالعہ کیا اور پھر قرآن پاک پڑھنے کی طرف میلان ہوا۔ کہتی ہیں کہ ''قرآن پاک نے مجھے ایک عجیب روحانی سرور بخشا جو میرے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا۔'' قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''اگر کوئی شخص بھی دلچسپی' انہماک اور لگن سے قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ اس مقدس کتاب کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

..........(۳)..........

ہندوستانی خاتون محترمہ لیڈی ہارنس مذہباً عیسائی تھیں وہ ایک ہوٹل کی مالکہ تھیں جہاں ایک بوڑھا مسلمان ملازم تھا جو اپنے جوان فرزند' اس کی بیوی اور ننھے بچے کی وفات پر ایمان کی پختگی کی وجہ سے صبر و استقامت کا پہاڑ بنا رہا۔ اس چیز نے محترمہ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں۔ اپنے ایمان کی پختگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں ''مجھے اپنے اللہ پر اس قدر پختہ ایمان ہے کہ خواہ جس قدر بھی مصیبت آئے میرے قدموں میں لغزش نہیں آسکتی۔''

..........(۴)..........

امریکی خاتون محترمہ ایمان باربر عیسائیت کی پیروکار تھیں اور بڑی سرگرم عیسائی مبلغہ تھیں ایک مرتبہ ان کی سہیلی نے انہیں قران پاک دیا تا کہ وہ بائبل کے ساتھ اس کا

موازنہ کریں بیان کرتی ہیں کہ ''اس سلسلے میں جب میں نے قرآن پاک کا مطالعہ کیا تو حیرت و استعجاب میں ڈوب گئی اور ان دونوں میں بڑا فرق پایا وہ اس طرح کہ قرآن کریم کئی حوالوں سے بائبل سے منفرد اور افضل و اعلیٰ تھا۔اس کے بعد میں نے سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کیا آخرکار دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔'' مسلمان مبلغین کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ دعوت کو اپنا مشن بنایئے کیونکہ دعوتی عمل مسلمانوں کے لئے ایک حصار کا کام دیتا ہے۔دعوتی کام کرنے والا ایک تو دوسروں کے افکار و نظریات اور خیالات قبول کرنے سے بچ جاتا ہے اور دوسری طرف جمود و تعطل کا شکار نہیں ہوتا۔''

............(۵)............

برطانوی خاتون محترمہ انجلیس مذہبا عیسائی تھیں۔وہ انگریزی زبان کے ایک تعلیمی ادارے ''معهد تعليم اللغة الانجليزية'' میں ایک استانی ہیں۔اپنی ایک مسلم طالبہ کے اخلاق اور خاص طور پر اس کے حجاب اوڑھنے کی پابندی سے اس حد تک متاثر ہوئیں کہ اسلام قبول کرلیا۔اسلام کی ایک خصوصیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''اسلام روح، جسم اور پوری کائنات کے لئے سلامتی اور رشد و آشتی کا پیغامبر ہے۔''

............(۶)............

امریکی خاتون امینہ اسلمی مذہبا عیسائی تھیں۔ایک امریکن سنٹر میں کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا وہاں کچھ عرب مسلمان موجود تھے جن کے اچھے اخلاق اور حقانیت قرآن سے متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں۔عورتوں کے متعلق اسلام کا نظریہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''مغربی عورت آزاد نہیں بلکہ آزادیٔ نسواں کے نام پر اس پر بہت سی پابندیاں ہیں جبکہ اسلام نے عورتوں کو حقیقی آزادی عطا کی ہے۔''

............(۷)............

جرمن خاتون کریمہ جن کا سابقہ نام الکسندرا براؤن اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا کہتی ہیں کہ میں نے عقائد اسلام کو پڑھا اور کافی حد تک متاثر ہوئی پھر قرآن کریم کے ترجمہ اور سیرت رسول کی ایک کتاب تک رسائی حاصل کی دو گھنٹے تک مسلسل قرآن کے

معانی اور سیرت رسول ﷺ پر غور و فکر کیا تقریبا نصف شب کے وقت مجھے عجیب و غریب احساس ہوا جیسے کوئی کہہ رہا ہے نصرانیت صحیح نہیں اور مجھے اسلام قبول کرلینا چاہیے چنانچہ میں نے کچھ عرصہ بعد اسلام قبول کرلیا۔''

............(۸)............

امریکی خاتون محترمہ ہیکی پاکنز مذہبا عیسائی تھیں۔ذہن میں کئی سوالات تھے جن کی وجہ سے پریشان رہتی تھیں۔جب قرآن پاک کا مطالعہ کیا تو اپنے تمام سوالات کا جواب پایا اور اس سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔کہتی ہیں کہ ''جن سوالات کا جواب میں اپنی پوری زندگی تلاش کرتی رہی ان کا جواب پانا میرے لئے کتنا زیادہ تسکین کا باعث ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا میرے لئے ممکن ہی نہیں۔'' مزید کہتی ہیں کہ ''قرآن مجید انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔''

............(۹)............

نارویجن خاتون محترمہ امینہ جن کا سابقہ نام رولاڈن تھا عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔تیرہ سال تک تفکر و تدبر اور مسلسل مطالعہ کیا آخرکار اسلام قبول کرلیا کہتی ہیں کہ ''میں فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہوگئی۔'' اسلام قبول کرنے کے بعد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''قبولیت اسلام کے بعد میں نے اپنے دل میں اطمینان، سکون اور اللہ و بندے کے درمیان رابطہ کو محسوس کیا جب کہ اس کیفیت سے میں عیسائیت میں کبھی بھی آشنا نہ ہوئی۔''

............(۱۰)............

امریکی خاتون محترمہ امیرہ مذہبا عیسائی تھیں اور ایک عیسائی پادری کی بیٹی تھیں۔عرب مسلمان سہیلی سے میل جول کی وجہ سے عربی زبان سے ایسی محبت پیدا ہوئی جس نے اسلام کی طرف مائل کردیا کہتی ہیں کہ ''میں قرآن پاک کی تلاوت کی کیسٹ گھنٹوں سنتی رہتی اگرچہ مفہوم سمجھ نہ آتا تھا لیکن قرآن مجید کی تلاوت کا اثر قلب و روح میں سما جاتا۔'' بس یہی چیز ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔اسلام کے بارے میں اظہار خیال کرتے

ہوئے کہتی ہیں کہ ”یہی دین حق ہے جو مجھے جنت میں لے جا سکتا ہے۔“

.......................(۱۱).......................

انڈین خاتون محترمہ ثریا جن کا سابقہ نام کملا داس تھا ہندومت کی پیروکار تھیں، نامور ہندو ادیبہ تھیں۔ ہندو دھرم کے غیر انسانی سلوک اور دقیانوسی رویے سے کافی تنگ دل رہتی تھیں۔ اسلام کا گہرا مطالعہ 27 سال تک کیا۔ شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کے مظالم کا شکار ہوئیں۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ ”میں ہندوؤں کی طرح چتا میں جلنا نہیں چاہتی میں ایک بیوہ ہوں میرے بچے میرے ساتھ نہیں، میں محبت چاہتی ہوں، اسلام محبت دینے والا دین ہے اس لئے میں نے اسلام قبول کرنے کا عہد کیا اور پھر اسلام قبول کرلیا ان کا کہنا ہے کہ ”پردے سے عورت کو مکمل تحفظ ملتا ہے۔“

.......................(۱۲).......................

امریکی خاتون محترمہ ثریا عیسائی مذہب پر قائم تھیں۔ مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا جب اسلام کے بارے میں تعارف ہوا تو بہت متاثر ہوئیں کہتی ہیں کہ ”میں اسلام کے اس پہلو سے بہت متاثر ہوئی کہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح یہ مذہب جزوقتی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے اس کے علاوہ اس کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دین کامل ہے۔ میں نے اسلام کو فطرت کے عین مطابق پایا۔ چنانچہ اسے دل و جان سے قبول کرلیا۔“ وہ غیر مسلم خواتین جو اسلام قبول کرنا چاہتی ہیں ان کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ”خوف زدہ نہ ہوں اگر آپ نے صراط مستقیم پر چلنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اللہ اپنے فضل سے آپ کی مدد فرمائے گا۔“

.......................(۱۳).......................

پاکستانی خاتون جمیلہ مذہباً عیسائی تھیں۔ تقریباً دو سال تک اسلام کا مطالعہ کیا جب پوری طرح مطمئن ہوگئیں تو مسلمان ہوگئیں۔ اسلام اور عیسائیت کا فرق واضح کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے جو عقل عامہ پر مبنی ہے لیکن مسیحیت اپنے عقیدے کی صداقت کو عقل کی کسوٹی پر ثابت نہیں کرسکتی اور اس کے عقائد سمجھ میں نہیں آتے۔“

با مسائل نے پیدا کر دی تھی۔ تجسس کی یہ مدت دس سال کے عرصے پر محیط ہوئی۔ الحمد للہ کہ اندھیرے کے تمام پردے ایک ایک کر کے نگاہوں سے ہٹتے چلے گئے۔ ذہن کے سارے شکوک دور ہو گئے۔ اسلام ایک روشن جگمگاتا ہوا سورج بن کر میرے سامنے آ گیا اور اب اس سے انکار کرنا ممکن نہ رہا۔

بچپن سے سنتا آ رہا تھا کہ اسلام ظلم و تشدد کا علمبردار ہے اور یہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے جبکہ عیسائیت محبت و اخلاق سے پھیلی ہے اس میں کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کی جاتی۔

مگر پیدائشی مسیحی ہوتے ہوئے بھی یہ بات میرے مشاہدے میں آتی رہی کہ برصغیر میں انگریزوں کے آنے کے بعد لوگ پیار و محبت سے عیسائی نہیں ہوئے بلکہ انہیں دنیاوی لالچ دے کر عیسائی بنایا گیا اور روحانی سکون کی طرف کھینچنے کی بجائے انہیں دنیاوی عیش و آرام کی طرف اُکسایا جاتا تھا۔ چنانچہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ پاک و ہند میں جتنے لوگ بھی عیسائی ہوئے وہ کسی نہ کسی دنیاوی مفاد اور مادی لالچ میں گرفتار ہوئے۔

پھر یہ بات بھی میرے تجربے میں آئی کہ غیر ملکی مشنری امریکہ اور یورپ سے بھاری رقمیں منگاتے تو مقامی عیسائیوں کی امداد کے نام پر ہیں مگر وہ خرچ اپنی ذات پر کرتے ہیں۔ انہیں کالے عیسائیوں سے کوئی محبت نہیں ہوتی۔ وہ اس کو کاروبار سمجھتے ہیں اور تبلیغ کے نام پر دراصل خود گلچھرے اڑاتے ہیں۔ بلکہ یورپ کی طاقتوں نے خصوصاً اسلام کو ختم کرنے کے لئے بڑے ظلم، دھونس اور دھاندلی سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس کے برخلاف مجھے یاد نہیں کہ پاکستان میں کبھی کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہی عالم دوسری اسلامی دنیا کا ہے۔ ہندوستان میں صدیوں تک مسلمان حکمران رہے مگر ہندو آخر تک اکثریت میں رہے اور آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کرتے رہے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا میں کبھی اسلامی فوجیں گئی ہی نہیں مگر وہ اکثریتی مسلم ممالک ہیں۔ تلوار یا تو دفاع کے لئے ہے یا ظالم انسان دشمن قوتوں کے لئے ورنہ نبی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے لے کر ساری اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام رحم و کرم، محبت و شفقت اور انسانی ہمدردی کا بے نظیر مرقع ہے اور اس پر تشدد کا الزام جھوٹ اور بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

(۱۰)

ہیلی راؤ رک (ہندوستان) کہتے ہیں کہ میں ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران ایک اینگلو انڈین خاندان میں پیدا ہوا۔ میں نے ابتدائی تعلیم ایک مشن سکول میں حاصل کی جہاں مذہب پر بطورِ خاص توجہ دی جاتی ہے۔ وہ اصول جو ایک انسان اپنی انفرادی زندگی میں بجالاتا ہے انہی کو ایک حکومت عوام سے معاملہ کرتے ہوئے بروئے کار لائے گی اور وہی اصول ایک ریاست کو دوسری ریاستوں سے تعلقات استوار کرتے وقت کام دیں گے۔ اسی طرح اسلام میں کسی بے انصافی یا استحصال کی کوئی گنجائش نہیں' نہ نوآبادیاتی نظام' سامراجیت' طبقاتی کشمکش یا غیر منصفانہ اور جارحانہ جنگوں کی کہیں اجازت ہے۔ ظاہر ہے جب تک بنی نوع انسان ایک ہی جامع اور منصفانہ نظام کے تحت نہیں آ جاتے دفاع کی ضرورت اور افادیت اپنی جگہ برقرار رہے گی مگر اسلام کے قانونِ صلح و جنگ عین فطری اور انسانی مفاد میں ہیں۔

اسلام کا نظریہ جہاد عورتوں' بچوں' بوڑھوں اور نہتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں ہسپتالوں' اسکولوں' عبادت گاہوں اور رہائشی مکانوں پر بمباری کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام صرف انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دینے کے لئے لڑتا ہے یا پھر اس وقت تلوار اٹھاتا ہے جب تبلیغ دین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں یا دشمن جارحیت پر اتر آئے۔ مگر یہاں کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا نہ وہ کسی سامراج کے مظلوم و بے سہارا عوام پر ظلم وستم کو برداشت کرتا ہے۔ مسلمان ہر وقت جنگ بندی اور صلح پر تیار رہتا ہے۔ خواہ دشمن اس بہانے انہیں دھوکا ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔ (لیکن مسلمان نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے نہ ہی کسی سے دھوکا کھاتا ہے) اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اسلام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ خلق خدا کی خدمت کی جائے اور ان مشکلات کا مداوا کیا جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے اچھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''کسی انسان کا دل خوش کر دینا' بھوکے کو کھانا کھلانا' مظلوم کی داد رسی کرنا' کسی پریشان حال کا دکھ بانٹ لینا اور کسی زخمی کا علاج

طرف بھی میلان رہا۔ جب اسلامی کتب کا مطالعہ کیا تو انتہائی متاثر ہوئیں پھر قرآن پاک کا مطالعہ شروع کر دیا بالآخر مسلمان ہو گئیں۔

(۲۱)

آسٹریلوی خاتون اوما ولیا منر ایک سرگرم عیسائی مبلغہ تھیں۔ ایک مسلمان انجینئر سے بغرض تبلیغ ملنے کے لئے گئیں تو ان کے اخلاق سے بڑی متاثر ہوئی اور ان سے اپنے اشکالات کے جوابات حاصل کیے اور پھر ان سے تلاوت کلام پاک سنی تو بہت محظوظ ہوئیں۔ بیان کرتی ہیں کہ ''لہجہ اتنا پرکشش اور شریں تھا کہ مجھ پر خشوع وخضوع کی کیفیت طاری ہو گئی پھر جب مسلمان انجینئر نے تلاوت کی گئی آیات کی تشریح بیان کی تو بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہو گئی کہ یہ سچا کلام ہے۔ یہ واقعہ میرے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا۔'' مسلمان عورتوں کو نصیحت کرتی ہیں کہ ''وہ خود دینی تعلیم اور اسلامی ثقافت سے آراستہ ہوں اور پھر بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائیں۔''

(۲۲)

ایک امریکی خاتون محترمہ یورین عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک مسلمان ہمسائی نے انہیں قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ دیا۔ کچھ دن ورق گردانی کرنے کے بعد اسے روزانہ پڑھنے کا معمول بنا لیا۔ کہتی ہیں کہ ''ایک دن میں نے سورۃ المومنون کا مطالعہ شروع کیا تو نہایت اطمینان محسوس کیا مطالعہ جاری رکھا جب سورۃ المومنون کی یہ آیات پڑھیں:

بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا۔ (المومنون:۱۲-۱۴) تو مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ یہ تو وہی بات ہے جو سائنس آج کہہ رہی ہے جبکہ حضرت محمد ﷺ نے چودہ سو سال قبل بتا دی تھی انہیں کیسے معلوم ہوا؟ الٹرا ساؤنڈ' ایکسرے اور دوسری جدید

مشینیں اس وقت نہیں تھیں۔ یقیناً آپ کی رہنمائی کسی بڑی طاقت نے کی ہے آخر کار میں امت مسلمہ کا حصہ بن گئی۔ مسلمانوں کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''خود شعور سے دین کا مطالعہ کریں اور غیر مسلموں کو قرآن پڑھائیں۔''

............(۲۳)............

فلپائنی خاتون محترمہ خدیجہ جن کا سابقہ نام میری واٹسن تھا عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔ فلپائن کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر بھی رہیں اور عیسائیت کی مبلغہ اور راہبہ تھیں۔ اسلام کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات کا شکار تھیں مختلف اسلامک اسکالرز سے اپنے اعتراضات کے جوابات حاصل کیے۔ اسلام کا مطالعہ کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ اسلام کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''اسلام ہی سچا دین ہے اس نے جو حقوق اور آسانیاں فراہم کی ہیں وہ کوئی اور مذہب نہیں دے سکتا۔''

............(۲۴)............

جرمن خاتون رقیہ راشد جن کا سابقہ نام اریکہ سیفرٹ اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا بچپن ہی سے اپنے ماحول سے بیزار رہتی تھیں اور مغرب کی خیرہ کر دینے والی تہذیب کی چمک دمک اور عریانی کو ناپسند کرتی تھیں انہوں نے حقیقت کی جستجو میں کئی کتب کا مطالعہ کیا۔ اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا تو روح میں تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ پاکستان کی مسلمان عورتوں کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''اکثر پاکستانی کہتے ہیں کہ یورپ چھوٹی جنت ہے لیکن میں کہتی ہوں کہ یورپ چھوٹا جہنم ہے۔''

............(۲۵)............

اطالوی خاتون محترمہ رقیہ مقصود جن کا سابقہ نام روز مین رش بروک تھا عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔ عیسائیت کے متعلق جاننے کے ساتھ ساتھ اسلام کے بارے میں بھی کافی معلومات رکھتی تھیں۔ اپنے مکان کے چند کمرے کرایہ پہ دیئے تو چند مسلمان ان میں قیام پذیر ہوئے۔ ان کے اخلاق حسنہ اور مذہب کی پابندی دیکھ کر کافی حد تک متاثر ہوئیں آخرکار دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں۔ قبولیت اسلام کے بارے میں بات کرتے ہوئے

کہتی ہیں کہ ''میں نے اسلام کو جتنا کریدا یہ مجھے اتنا ہی دلچسپ نظر آیا کافی عرصہ تک اپنے آپ کو مسلمان بننے سے روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔'' مسلمان ہونے کے بعد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''اب میری زندگی پر سکون ہے اور میرے پاس اب قناعت کی دولت بھی ہے۔''

............(۲۶)............

برطانوی خاتون محترمہ زینب کبولڈ جن کا سابقہ نام لیڈی ایلون کبولڈ تھا مذہباً عیسائی تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ اسلام کا نور میرے دل میں کب اترا؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں اپنی زندگی کی ابتدا سے ہی مسلمہ تھی جیسے جیسے میرا مطالعہ بڑھتا گیا میرے اس یقین میں اضافہ ہوتا گیا کہ اسلام دوسرے مذاہب سے برتر ہے چنانچہ میں نے اس پر ایمان لانے میں ذرا بھی تکلف محسوس نہ کیا۔'' اسلام کی ایک خصوصیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''اسلام فطری دین ہے اور اگر بچے کو خود اس پر چھوڑ دیا جائے تو وہ یہی دین اختیار کرے گا۔''

............(۲۷)............

امریکی خاتون سمیہ بارٹن کیلی جن کا سابقہ نام بارٹن کیلی تھا مذہباً عیسائی تھیں۔ عیسائیت کے متعلق کچھ شکوک وشبہات کی وجہ سے پریشان تھیں اور حقیقت کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ ایک دن لائبریری میں اخبارات کا مطالعہ کر رہی تھیں کہ ایک آرٹیکل جس کا موضوع ''رمضان اور روزہ'' تھا پر جا کر نظر رک گئی اس کا مطالعہ کیا تو اسلام کے بارے میں جاننے کا مزید شوق پیدا ہوا اور اس سلسلے میں مزید لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ آخرکار اس نتیجے پر پہنچیں کہ جس منزل کی تلاش میں وہ برسوں سے بھٹک رہی تھیں وہ منزل اسلام ہی ہے اور اسے قبول کر لیا۔

............(۲۸)............

برطانوی خاتون محترمہ سارہ جوزف جن کا سابقہ مذہب عیسائیت تھا کہتی ہیں کہ ''میں نے حضرت خدیجہ، عائشہ اور سمیہ رضی اللہ عنھن کی کرداری مثالوں سے تحریک و

ترتیب پائی ہے جنہیں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے انہوں نے ایک صالح اور خوف الٰہی رکھنے والے معاشرے کے قیام کے لئے اپنے دینی بھائیوں کے شانہ بشانہ جدوجہد کی اور ان کی تعداد کو دوگنا کر دیا جو اللہ کی راہ میں کوشاں تھے اگر ہم بھی آج ان کی مثالوں کو سامنے رکھیں تو شاید اپنے معاشرے کا بھلا کر سکیں۔" اہل اسلام کو اسلام پر عمل کی ترغیب دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ: "لوگوں کو اسلام کی ضرورت ہے اسے اہل مغرب سے چھپایا نہ جائے اور دور نہ رکھا جائے مسلمان اپنی ثقافت' روایات اور غصہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو چھپاتے ہیں۔"

..........(۲۹)..........

برطانوی خاتون محترمہ سمیہ عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔وہ شام کے دارالسلطنت دمشق میں نرس تھیں۔ان کی ایک سہیلی کے شوہر ایک عرب مسلمان تھے جو اعلیٰ اخلاق سے مزین تھے۔محترمہ سمیہ کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ "میرا دین اسلام ہے" محترمہ کا تجسس اسلام کے بارے میں بڑھا اور انہوں نے عرب مسلمان سے اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے کوئی کتاب مانگی انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی میں دیا کہتی ہیں کہ "جب میں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا تو ابھی سورۃ بقرہ کی تکمیل نہ کی تھی کہ میری فطرت جاگ اٹھی اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔"

..........(۳۰)..........

کینیڈین خاتون محترمہ سمیہ خالد عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے مختلف سوالات کے جوابات نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھیں اور اسلام میں خواتین کے حقوق جاننے کے لئے کافی متجسس تھیں۔کہتی ہیں کہ "ایک خاص بات جو میرے دل کو موہ لیتی تھی یہ ہے کہ مسلمان عورتیں کتنا اچھا لباس پہنتی ہیں اور ان کے چہروں پر کتنا اطمینان اور سکون و چین نظر آتا ہے۔میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا تو اس مقصد کے لئے قرآن پاک بھی خریدا اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا اس سے مجھے زندگی کا صحیح اور حقیقی مفہوم سمجھ آیا۔اور مجھے اپنے تمام سوالات کا جواب قرآن سے مل گیا۔بس

تھیں۔ انہی کتابوں سے اپنے دل میں اصل معاملہ وحل کر لینے کے بعد بیس سال قبل اس حقیقت پر پہنچ گیا کہ اسلام برحق دین ہے اور پہلا مسلمان جس سے مجھے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی تھے جنہوں نے خود بھی عیسائیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے ساتھ گفتگو کرنے اور نہایت تحقیق و تدقیق کے بعد میرے تمام شکوک رفع ہو گئے اور میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھدان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

..........(۱۷)..........

خالد لطیف گابا کا آبائی نام کنہیا لال گابا تھا۔ وہ پاکستان کے ضلع مظفر گڑھ کے قصبے لیہ میں پیدا ہوئے۔ ذیل کی تقریر خالد گابا نے قبول اسلام کے بعد لاہور کی بادشاہی مسجد میں سامعین کے بہت بڑے اجتماع میں کی تھی۔ اس اجتماع میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ "پہلی چیز جس نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ اسلام کی سادگی اور ہدایت ہے۔ اسلام کے ارکان انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ان سب کی بنیاد اصولوں پر ہے اور اس قدر واضح ہیں کہ ایک عام عقل وفہم کا انسان بھی انہیں سمجھ سکتا ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور اس خدا کی وحدانیت جو نہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا' جو نہ تو مٹی میں ڈھالا جا سکتا ہے اور نہ پتھر میں' جو ایک ہے اور ایک رہے گا۔

اسلام کو ترجیح دینے کی دوسری وجہ اسلام کی جمہوریت ہے' اسلامی مساوات سوشلزم اور بالشوزم کی مساوات نہیں جو امیروں کا بظاہر غریبوں کی خاطر درندوں سے ہلاک کرنا سکھاتی ہے۔ یہ عیسائیت کی مساوات بھی نہیں جہاں سیاہ رنگ کے حبشی کو سفید رنگ کی عورت پر نگاہ ڈالنے کے جرم میں بے محابا قتل کیا جاتا ہے' اور سیاہ فام عیسائی خدا کی عبادت کے لئے بھی ان گرجوں میں نہیں جا سکتے جہاں سفید فام عیسائی جاتے ہیں۔ سیاہ فاموں کے لئے الگ مخصوص گرجے ہیں جبکہ اس کے برعکس مسجد کے دروازے ہر مسلمان کے لئے یکساں کھلے ہیں خواہ وہ رنگ کسی کا ہو اور خواہ اس کی کوئی سی نسل ہو۔

..........(۱۸)..........

چرچ آف انگلستان کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ مگر ہوش سنبھالا تو میرا ذہن اس سے بالکل مطمئن نہ ہوا۔ مجھے چرچ آف انگلینڈ کی تعلیمات میں قوت اور وقار کا فقدان نظر آیا۔

..........................(۱۹)..........................

داؤد آپسن (انگلستان) کہنہ مشق صحافی تھے بمبئی میں اسلام قبول کیا اور پھر لاہور مستقل سکونت اختیار کی انہیں علامہ اقبال کی مجلس میں بیٹھنا نصیب ہوا اور پھر ان کی شفقتیں گہرے دوستانہ تعلقات میں بدل گئیں اپنے قبول اسلام کے حوالے سے داود آپسن کا کہنا ہے کہ ''ایک مرتبہ ایک معزز مسلمان نے مجھے کھانے پر بلایا' اس وقت جو چیزیں میرے سامنے لائی گئیں ان میں ایک پلاؤ بھی تھا۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میری زبان اس بہشتی نعمت سے لذت اندوز ہوئی۔ میں پلاؤ کھا رہا تھا' مسحور ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ غور کر رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس قوم کا مذاق کھانے کے معاملہ میں اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے' دین اور روحانیت کے معاملہ میں اس کا معیار کتنا کچھ پاکیزہ اور لطیف نہیں ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے نہ کسی ملا نے مسلمان کیا اور نہ کسی صوفی نے۔ میں تو حضرت پلاؤ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔ کسی شخص کے قبول اسلام کے معنی یہ ہیں کہ وہ ساری دنیا سے اونچا ہو جاتا ہے اور پھر اس کی زندگی میں جس قدر بھی اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی دنیا بھر کے عملوں سے اونچے ہوتے ہیں۔

..........................(۲۰)..........................

سلیمان شاہد مفسر (امریکہ) قبول اسلام کے بعد کہتے ہیں کہ ''اسلام کا نظریۂ اخوت کوئی بے جان تصور نہیں ہے بلکہ زبردست عملی قوت ہے۔''

..........................(۲۱)..........................

سیف الدین ڈرک والٹر موسگ Saifuddin Dirk Walter Mosig برلن کے عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے سن پیدائش ۱۹۴۳ء ہے اپنے قبول اسلام کی داستان بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ''اسلام کے سامنے دوسرے مذاہب کی مثال وہی ہے جو سورج کے سامنے ماچس کی تیلی کی ہوتی ہے۔ میں پورا یقین رکھتا ہوں کہ جو شخص قرآن کو سمجھ کر پڑھے گا وہ ان شاء اللہ اسلام قبول کرلے گا۔''

..........................(۳۸)..........................

امریکی خاتون محترمہ عائشہ عبداللہ جن کا سابقہ نام ورجینیا ہنری اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا اپنے خاندان کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ وجہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''ہم مدت سے اسلام کا گہرا مطالعہ کرتے رہے اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام ہی سچا دین ہے' عقلی تقاضوں کے عین مطابق' انسانیت کا دین' خاندان اور معاشرے کا دین'' مزید کہتی ہیں کہ ''مسلمان ہونے کے بعد پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے میری زندگی کا رُخ بالکل بدل گیا۔''

..........................(۳۹)..........................

برطانوی خاتون محترمہ ٹروڈی مذہباً عیسائی تھیں اور گلاسکو یونیورسٹی میں لیکچرار تھیں۔ انہوں نے محض ریسرچ کی غرض سے ایک مسلم مبلغہ کے درس میں آنا شروع کیا چھ ماہ تک کلاسز میں شرکت اور آخرکار مسلمان ہوگئیں۔ عیسائیت کے بارے میں کہتی ہیں کہ ''عیسائیت منطقی تضادات کا مجموعہ ہے جنہیں پہیلیوں کا نام دیا جا سکتا ہے۔''

..........................(۴۰)..........................

رشین خاتون محترمہ فاطمہ جن کا سابقہ نام والیریا بورو جونا تھا کسی مذہب کی قائل نہ تھیں اور تمام مذاہب کو برا سمجھتی تھیں۔ اسلام کو ظالمانہ اور جابرانہ مذہب خیال کرتیں۔ عرب طلباء کی گفتگو سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ شروع کیا۔ پھر قرآن مجید' بائبل اور کمیونزم کا موازنہ اور تقابل کیا۔ بالآخر اس نتیجے پہنچیں کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور اسلام قبول کرلیا۔''

..........................(۴۱)..........................

نارویجن خاتون محترمہ فاطمہ عبداللہ جن کا سابقہ نام ماری لویزان اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا اپنی ایک سہیلی کے کردار سے متاثر ہو کر اسلامی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا اور قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھا۔ ترجمہ پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا کہ ''ھذا ھو الحق'' اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئیں۔

(۴۲)

امریکی خاتون عائشہ عدویہ مذہباً عیسائی تھیں۔شراب نوشی اور سگریٹ نوشی کی رسیا تھیں۔اپنے مذہب سے مطمئن نہ تھیں اور سکون کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔آخرکار دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں' اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ''جب میں نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو بہت متاثر ہوئی یوں محسوس ہوا کہ تمام راز ہائے سربستہ کھلتے جارہے ہیں اور میں ایک نئی روشنی کی طرف جارہی ہوں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نامعلوم ہستی میری رہنمائی کررہی ہے اور مجھے ہدایات دے رہی ہے۔اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے کسی نامعلوم طاقت کے اشارے پر اپنی تمام بری عادات اور خاص طور پر سگریٹ اور شراب نوشی کو ہمیشہ کے لئے خیرآباد کہہ دیا۔'' مسلمان عورتوں کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ''عورت کا حسن اور اس کا احترام مردانگی میں نہیں بلکہ فطرت کے اصولوں کے مطابق عورت بن کر رہنے میں ہے۔''

(۴۳)

برطانوی خاتون محترمہ عائشہ جان مذہباً عیسائی تھیں جو بچپن ہی سے اپنے مذہب کی قباحتوں کی وجہ سے پریشان رہتی تھیں۔عام معلومات کی کتب پڑھنے کا شوق تھا جب تاریخ اسلام کی کتب نظر سے گزریں تو تسلیم کرنا پڑا کہ اسلام کی تاریخ بہت شاندار ہے۔اسلامی تعلیمات اور اصولوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد دولت اسلام سے مالامال ہوگئیں۔مسلمانوں کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ''اسلام کی تعلیمات اور زریں اصول عمدہ اور سچی مثال ہیں ہمیں ان کے پرچار سے شرمانا نہیں چاہیے بلکہ اس پرآشوب دور میں اسلامی اُصولوں کو عام کرنا چاہیے تاکہ انسانیت کی نجات ہو۔''

(۴۴)

رشین خاتون محترمہ ڈاکٹر فاطمہ عبدالرشید جن کا سابقہ مذہب عیسائیت تھا پارلیمنٹ کی ممبر رہیں انتہائی عیش وعشرت میں زندگی گزارنے کے باوجود روحانی سکون میسر نہ تھا آخرکار اسلام قبول کرلیا اسلام قبول کرنے کے بعد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتی

ہیں کہ''میرا قبول اسلام ایک عطیہ ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیش قیمت تحفہ ہے اس کی وجہ سے میری آنکھوں کو نور اور دل کو غیر معمولی سرور حاصل ہوا ہے الحمد للہ! اب میں مکمل طور پر مطمئن ہوں۔''

(۴۵)

جرمن خاتون محترمہ فاطمہ جن کا سابقہ نام برتیا روز اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا کسی ایسے خاندانی نظام کی متلاشی تھیں جو مغرب کے عائلی نظام سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہو۔ایسا نظام انہیں صرف اسلام میں نظر آیا لہٰذا مسلمان ہوگئیں۔حجاب کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ''حجاب مجھے عورت کے حسن و جمال اور اس کی عفت و پاکدامنی کا سرچشمہ نظر آتا ہے۔''

(۴۶)

محترمہ فاطمہ زشکن جن کا سابقہ نام مونیکا اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا۔چیکو سلواکیہ میں پیدا ہوئیں۔بچپن ہی سے غوروفکر کی عادی رہیں۔عیسائیت کو عقل و منطق کے خلاف پاکر ہندومت اور یہودیت کے مطالعہ کی طرف مائل ہوئیں۔مگر انہیں بھی عقل نے تسلیم نہ کیا۔پھر اسلام کے بارے میں کئی کتب کا مطالعہ کیا اور قرآن پاک بھی پڑھا کہتی ہیں کہ''جب میں نے قرآن پاک کا مطالعہ کیا تو احساس ہوا کہ اسلام مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور اس کی پاکیزہ تعلیمات میری عقل اور فطرت کو اپیل کررہی ہیں میرے لئے سب سے پرکشش اسلام کا مثالی معاشرتی نظام تھا جو بلاتمیز رنگ ونسل سب انسانوں میں برابری اور مساوات پر استوار ہے۔اس کے علاوہ میں نے اسلام کی کئی خصوصیات کو دیکھا اور اسلام قبول کرلیا۔'' مبلغین کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ''اشاعت اسلام کا آسان طریقہ جو ایک مبلغ یا طالب علم اختیار کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے عمل اور کردار سے عمدہ مثال پیش کرے۔''

(۴۷)

امریکی خاتون فاطمہ جن کا سابقہ نام تاشا تھا عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔قرآن کریم کے بارے میں

اظہار خیال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "میں نے جب قرآن کریم کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ یہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے اور یہ کسی انسان کا کارنامہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

..................(۴۸)..................

برطانوی خاتون محترمہ فاطمہ لفن برگ مذہباً عیسائی تھیں انہوں نے اسلام کے متعلق کئی کتب کا مطالعہ کیا اور قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھا۔ کہتی ہیں کہ "میں جیسے جیسے قرآن مجید کا مطالعہ کرتی گئی اس کی گہرائی میں ڈوبتی چلی گئی۔ اس کا ہر لفظ اپنی سچائی اور کلام اللہ ہونا ثابت کر رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن اللہ ہی کی کتاب ہے میں نے فوراً اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگی اور اپنے ربّ سے رجوع کیا۔ اللہ کے قرب نے مجھے وہ سکون عطا کیا جس کا میں تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔"

..................(۴۹)..................

جرمن خاتون جن کا سابقہ نام ہیرین اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا جب ذرا ہوش سنبھالا تو بے چینی اور اضطراب محسوس کرنے لگیں عیسائیت کے تفصیلی مطالعہ نے بے دین بنا دیا۔ پھر اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو اسلامی نظام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور آخرکار دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئیں کہتی ہیں کہ "مغرب کو اسلام کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم فی الواقع ویسا ہی بنیں جیسا کہ اسلام چاہتا ہے۔"

..................(۵۰)..................

امریکی خاتون محترمہ کیرولین مذہباً عیسائی تھیں۔ بوسٹن میں ایم۔ اے ایجوکیشن کرنے کے دوران چند مسلم طلباء سے ملاقات ہوئی ان کے اخلاق و اطوار سے انتہائی متاثر ہوئیں آخرکار اسلام قبول کر لیا۔ کہتی ہیں کہ "اسلام نے میرے تمام سوالات اور خواہشات کی تشفی کر دی ہے۔"

..................(۵۱)..................

برطانوی خاتون محترمہ عائشہ بھٹہ جن کا سابقہ نام ڈیبی راجرس تھا عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں ان کا سارا خاندان پختہ عیسائی عقائد کا حامل تھا۔ ان کی جدوجہد سے ان

کے والدین ان کے خاندان ان کی سہیلیوں اور تقریباً ان کے تمیں پڑوسیوں نے اسلام قبول کیا۔ ایک دس سالہ بچے کو جو باقاعدگی سے نماز ادا کرتا تھا اور جس کے چہرے سے سکون و اطمینان ٹپکتا تھا اکثر دیکھا کرتیں۔ اس بچے سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہے۔ اسلام کے بارے میں تجسس بڑھا اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں اور آخرکار اسلام قبول کر لیا۔ بیان کرتی ہیں کہ "میں صدق دل سے یہ کہتی ہوں کہ قبول اسلام سے مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوا۔"

..................(۵۲)..................

جاپانی خاتون فاطمہ کازوئے جن کا تعلق بدھ مت سے تھا انہوں نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اسلام کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اسلام ہی وہ دین ہے جو انسانیت کو امن و صلح اور صفائی کی نعمت دے سکتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے لئے آج بھی انسانیت تڑپ رہی ہے۔"

..................(۵۳)..................

جرمن خاتون محترمہ فاطمہ جن کا سابقہ نام سی لامیر اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا۔ اپنے قبول اسلام کا واقعہ بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ "ایک مدت ایسی بھی گزری کہ میں کسی بھی دین سے متعلق نہ تھی بلکہ بے دین تھی۔ پھر میرا تعلق بعض مسلمانوں سے ہوا میں یہ بیان نہیں کر سکتی کہ مجھے کتنی مسرت ہوئی تھی۔ جوں جوں یہ دین مجھ پر واضح ہوتا گیا میں محسوس کرتی گئی کہ یہی وہ دین ہے جس کا مجھے انتظار تھا اور یہی وہ دین ہے جس پر میں ایمان لائی ہوئی ہوں۔ قبول اسلام کا اعلان دراصل میرے ضمیر کی پکار کی عملی ترجمانی ہے۔ اسلام کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اسلام ایک نور ہے جو سارے عالم کو منور کر سکتا ہے۔"

..................(۵۴)..................

امریکی خاتون محترمہ کیتھی مذہباً عیسائی تھیں اپنے اسلام قبول کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "میں پرائمری حصہ میں تھی جب میں نے ایک لائبریری سے

جہاں سستی کتابوں کی سیل لگی ہوئی تھی ایک کتاب خریدی اور گھر میں رکھ دی اور کبھی اسے
پڑھنے کی زحمت نہ کی۔ گریجویشن کرنے کے بعد گھر میں بیٹھ گئی تو اسے پڑھنے کا خیال آیا۔
وہ اسلام کے متعلق ایک مذہبی کتاب تھی اور کافی دلچسپ بھی۔ اس کتاب کی تعلیم میرے
دل میں گھر کرنے لگی اور اس کے مطالعہ سے مجھے سکون اور اطمینان ملنے لگا۔ میں نے کلمہ
شہادت پڑھا اور اللہ کے فضل سے میں مسلمان ہوگئی۔ دراصل وہ کوئی عام کتاب نہ تھی بلکہ
قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ تھا۔"

..........(۵۵)..........

کینیڈین خاتون محترمہ کیتھرین بلاک مذہباً عیسائی تھیں۔ مسلمانوں کو طنزیہ نظروں
سے دیکھا کرتیں اور اسلام کا مذاق اڑایا کرتیں۔ انہوں نے عیسائیت' یہودیت' ہندو ازم'
سکھ ازم' بدھ ازم اور اسلام کے بارے میں ریسرچ کی۔ سب سے زیادہ بہتر اسلام کو پایا
اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

..........(۵۶)..........

نارویجن خاتون محترمہ گریتھا مذہباً عیسائی تھیں۔ چرچ سے گہرا تعلق رکھتی تھیں۔
امریکہ منتقل ہوئیں وہاں عربی اور انگریزی سیکھنا شروع کی اور کچھ عرصہ بعد سعودی عربین
ائیر لائنز میں ملازمت اختیار کی وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جو بعد نماز ظہر مختلف موضوعات
پر سوال و جواب کی ایک مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول
کیا۔ اسلام کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اسلام ایک بہترین تحفہ
ہے اور الحمدللہ! میں نے اسے سمجھ لیا تھا اگرچہ میں نے اسے قبول کرنے میں دیر کی ہے
لیکن میرا مشورہ دوسروں کے لئے یہ ہے کہ وہ اسے قبول کرنے میں دیر نہ کریں۔"

..........(۵۷)..........

امریکی خاتون محترمہ ماریہ مذہباً عیسائی تھیں۔ قرآن پاک کا ناقدانہ نظر سے
مطالعہ کیا اور مغرب کی مزعومہ اغلاط اس میں سے ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہیں لیکن انہیں
قرآن پاک سے ہر سوال کا تسلی بخش جواب مل گیا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ مسلم

خاندانوں کی طرز معاشرت' خانگی ادب' بچوں کی نگہداشت اور ان کے ساتھ شفقت و محبت
کا برتاؤ دیکھ کر مسحور ہوگئیں اور چند ماہ بعد اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ حجاب کے
بارے میں کہتی ہیں کہ "مجھے مکمل یقین اور اطمینان ہے کہ عورت کا اپنے جسم کو چھپا کے رکھنا
اس وجہ سے نہیں کہ وہ مردوں سے کم تر ہے بلکہ یہ اس کے تحفظ اور احترام و اکرام کا خاص
حق ہے۔"

..........(۵۸)..........

محترمہ لوسیا دو ہلاب مذہباً عیسائی تھیں۔ سوئٹزرلینڈ میں رہتی ہیں۔ بچپن ہی سے
مادہ پرستی اور مغربیت سے بیزار تھیں وہ ایسے مذہب کی تلاش میں تھیں جو فطرت کے
اصولوں سے ہم آہنگ ہو انہوں نے اس مقصد کے لئے کئی سال بحث و مباحثہ' ریسرچ
اور سیر و سیاحت میں گزار دیئے' ہندوؤں کے مندروں اور عیسائیوں کے گرجوں کے علاوہ
مختلف مذاہب کے عبادت خانوں کی خاک چھانی مگر بے سود۔ آخر کار اسلامی تعلیمات سے
متاثر ہو کر اور اسے فطرت سے ہم آہنگ پا کر مسلمان ہوگئیں۔

..........(۵۹)..........

فرانسیسی خاتون محترمہ لیلیٰ رفن مذہباً عیسائی تھیں اپنے اسلام قبول کرنے کی
داستان سناتے ہوئے کہتی ہیں کہ میں نے یہودیت' عیسائیت اور اسلام کا مطالعہ اس غرض
سے کیا کہ معلوم کروں ان میں عورت کی حیثیت کیا ہے؟ بالآخر اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام
عورت کو عیسائیت اور یہودیت سے زیادہ حقوق اور آزادی دیتا ہے۔ جیسے جیسے اسلام کا
مطالعہ کرتی گئی اس کی طرف مائل ہوتی گئی۔ اسلام میرے لئے مقناطیس بن گیا اور مجھ پر
محیط ہو گیا۔ مزید کہتی ہیں کہ "اسلام ایک جامع نظام ہے جس میں کچھ بھی غیر منطقی نہیں۔"

..........(۶۰)..........

محترمہ لیلیٰ زلیمنی پولینڈ میں رہتی ہیں سابقہ نام میریولا اور سابقہ مذہب عیسائیت
تھا۔ جو ان کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ ہر وقت مذہب کے بارے میں غور و فکر کرتی
رہتیں۔ کچھ عرصہ بعد ان کا خاندان کینیڈا منتقل ہوگیا جہاں ان کی ملاقات ایک لبنانی طالب

علم سے ہوئی جس نے انہیں اسلام کے بارے میں بتایا۔ کہتی ہیں کہ لبنانی طالب علم کا ایک
جملہ کہ......"اللہ صرف ایک ہے"...... میرے ذہن میں گونجتا رہتا آہستہ آہستہ مجھے
یہ بات صحیح لگنے لگی۔ میں نے قرآن پاک کا ایک نسخہ حاصل کیا میرے لئے قرآن پاک کا
مطالعہ ایک سرور کن تجربہ تھا رات کو جب سب اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو جاتے تو میں
قرآن پاک کا مطالعہ شروع کر دیتی اس دوران آنکھیں برستی رہتیں اور میں منہ پر تکیہ رکھ کر
روتی رہتی آخرکار کچھ مزید سوچ و بچار کے بعد میں نے اسلام کو سینے سے لگا لیا۔"

......(۶۱)......

امریکی خاتون محترمہ لیلیٰ رمزی جن کا سابقہ نام لیسالوتھ وٹمن تھا مذہباً عیسائی
تھیں۔ ان کا تعلق مذہبی گھرانے سے تھا اور اپنا زیادہ وقت چرچ میں گزارا کرتیں۔ اسلام
قبول کرنے کی روداد سناتے ہوئے کہتی ہیں کہ "یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے دوران مشرق
وسطیٰ میرا اختیاری مضمون تھا جس کی بنا پر قرآن مجید سے بھی واقفیت ہوئی اور اس کے
مطالعہ کی خواہش پیدا ہوئی۔ جب اس کا مطالعہ شروع کیا تو عجیب و غریب کیفیت کا
احساس ہوا ایسا احساس کہ جی چاہتا تھا کبھی بھی یہ کیفیت ختم نہ ہو بالآخر اسلام قبول کر لیا۔"
مزید کہتی ہیں کہ......"ذہنی سکون اور طمانیت صرف اسلام کے سائے میں حاصل کی جا
سکتی ہے۔"......

......(۶۲)......

فلسطینی خاتون محترمہ العمار مذہباً عیسائی تھیں۔ اسلام کے نظام اخلاق اور اس
میں عورت کی عزت کو دیکھ کر انتہائی متاثر ہوئیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ اسلام
کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اسلام کتنا پیارا مذہب ہے جس میں
تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔"

......(۶۳)......

برطانوی خاتون محترمہ مریم جن کا سابقہ نام نیولا میری اور سابقہ مذہب
عیسائیت تھا اسلام کی فطری کشش کی بدولت اسلامی کتب کے مطالعہ کی طرف راغب

ہوئیں۔ جب قرآن پاک کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو دل کا زنگ بھی اترنا شروع ہو گیا۔
جوں جوں قرآن پڑھتی گئیں دل کی دنیا بدلتی گئی۔ آخرکار اسلام قبول کر لیا۔

......(۶۴)......

امریکی خاتون محترمہ مریم جو مذہباً عیسائی تھیں اسلام کے متعلق کافی اشکالات
رکھتی تھیں۔ امریکہ میں مقیم مسلمان طلباء و طالبات کے طرز حیات سے نہایت متاثر ہوئیں۔
ایک دن ایک مسلم گھرانے میں دعوت پر گئیں۔ وہاں انہیں مغرب کی نماز باجماعت ادا
کرتے دیکھا۔ امام صاحب نے سورۃ الرحمٰن تلاوت کی تو دل کو انتہائی سکون و اطمینان
نصیب ہوا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ یہی واقعہ ان کے اسلام لانے کا باعث بن
گیا۔

......(۶۵)......

برطانوی خاتون محترمہ مریم ھیجیسن مذہباً عیسائی تھیں۔ تمام مذہبی رسومات
بچپن سے ہی سیکھ لیں مگر ان میں کوئی روحانی تسکین نہ پائی۔ راچڈیل میں مسلمانوں کو
انگریزی پڑھایا کرتی تھیں۔ ان سے روابط کی وجہ سے اسلام کے بارے میں جاننے کا
شوق پیدا ہوا۔ بیان کرتی ہیں کہ "جب میں نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا اور سیرت
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنا شروع کی تو یکایک مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اپنی منزل
پا لی ہے اور میری روح جس سکون کی تلاش میں سرگرداں تھی مجھے مل چکا ہے۔ لہٰذا میں نے
بغیر کسی حیل و حجت کے اسلام قبول کر لیا۔"

......(۶۶)......

کینیڈین خاتون محترمہ مریم فیشر جن کا سابقہ نام میری فیشر اور سابقہ مذہب
عیسائیت تھا۔ انہوں نے کئی تاریخی مساجد کی زیارت کی۔ ان میں دمشق کی الجامع الاموی
بھی تھی جس کی زیارت نے ان کے اندر اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا۔
اسلام قبول کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ "میں نے مسلمانوں کو نیویارک کے
ایئرپورٹ پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ اس منظر نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا اور جب اذان

سنی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اسی وجہ سے اسلام قبول کرلیا۔"

......(٦٧)......

انڈین خاتون محترمہ نور فاطمہ جن کا سابقہ نام کویتا تھا' ہندومت سے تعلق رکھتی تھیں اور ایک انتہا پسند تنظیم شیوسینا میں شامل تھیں۔ ایم اے کی ڈگری کیمبرج یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ہندوازم سے بیزار ہوکر ایک اسلامک سنٹر میں جانا شروع کیا۔ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔

......(٦٨)......

برطانوی خاتون محترمہ مسعود اسٹین جن کا تعلق عیسائیت سے تھا اپنے مذہب سے بیزار رہتی تھیں اور محسوس کرتیں کہ یہ مذہب ان کی روحانی ضروریات پورا کرنے کے قابل نہیں۔ انہوں نے عیسائیت' بدھ مت' ہندوازم' یہودیت اور کئی دوسرے مذاہب کا مطالعہ کیا مگر روحانی پیاس نہ بجھی۔ پھر قرآن مجید کا مکمل ترجمہ پڑھا۔ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھتے ہوئے جو کیفیت ہوئی بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "میں نے محسوس کیا کہ یہ وہی پیغام ہے جس کی میں طویل عرصہ سے تلاش میں تھی۔ جوں جوں میں پڑھتی گئی قرآن میں گم ہوتی چلی گئی اور اس روحانی سفر کی تکمیل قبول اسلام پر ہوئی۔"

......(٦٩)......

آسٹریلوی خاتون محترمہ نسیم مذہبا عیسائی تھیں اور مسلمانوں کو دہشت گرد اور انتہا پسند سمجھتی تھیں۔ عیسائیت اور دیگر کئی مذاہب کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کیا مگر اطمینان نصیب نہ ہو۔ اس کے بعد اسلام کے بارے معلومات ایک آسٹریلوی مسلمان خاتون سے حاصل ہوئیں۔ اپنے قبول اسلام کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اسلامی عقائد اور نظام عبادات نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔"

......(٧٠)......

برطانوی خاتون محترمہ میری اولیو عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ اسلامی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتی

ہیں کہ "بنیادی طور پر مجھے جن باتوں نے متاثر کیا ان میں سے پہلی بات اس کی تعلیمات کی سادگی ہے اور دوسری یہ ہے کہ اسلام کسی کو بھی پیدائشی طور پر گناہگار قرار نہیں دیتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اسلام ایک امن پسند دین ہے جو نہ صرف مسلمانوں کے درمیان بلکہ پوری دنیا میں امن برقرار رکھنا چاہتا ہے۔"

......(٧١)......

امریکی خاتون محترمہ ہاجرہ' جن کا سابقہ نام میلا اندوسون میزدری تھا مذہبا عیسائی تھیں۔ عیسائیت کے متعلق کئی اشکالات رکھتی تھیں اور اسلام کو بھی اچھا نہ سمجھتی تھیں۔ اپنے ایک پاکستانی شاگرد کا مقالہ بعنوان "چودہ سو سال قبل کا عربی معاشرہ" پڑھ کر اس حد تک اثر قبول کیا کہ اسلام قبول کرلیا۔ اسلام کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اسلام میں ہی انسانیت کی کامیابی پوشیدہ ہے۔"

......(٧٢)......

فرانسیسی خاتون محترمہ یاسمین عیسائی مذہب کی پیروکار تھیں۔ قبولیت اسلام کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ "سچ تو یہ ہے کہ میں نہیں بتا سکتی کہ میں نے کیوں اسلام قبول کیا؟ بس میں پراگندہ خیالات سے نجات چاہتی تھی اور اسلام میں معاشرتی زندگی کے حسن نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ پاکستانی بہنوں کو پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ مغربی تہذیب کی چکاچوند پر مت جائیے۔ دور کے ڈھول سہانے ہیں۔ یورپ کی مکمل آزادی وہاں کی عورت کے لئے عذاب بن گئی ہے۔ اس آزادی پر اللہ کی غلامی کو ترجیح دیجئے۔"

......(٧٣)......

برطانوی خاتون محترمہ عائشہ جن کا تعلق عیسائیت سے تھا بچپن سے ہی مذہبی ماحول میں پرورش پائی مگر عیسائیت کے بہت سے عقائد ذہن میں کھٹکتے رہے جن کے تسلی بخش جوابات نہ ملنے کی بنا پر بے دین ہوگئیں۔ بدھ مت' ہندومت' تاؤازم اور فلسفے پر کئی کتابیں پڑھیں مگر اطمینان قلب نصیب نہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد کچھ مسلمان طلبہ سے ملاقات

ہوئی جنہوں نے انہیں کچھ کتابیں دیں جو بہت پسند آئیں۔ پھر ان طلباء نے انہیں قرآن پاک کا ترجمہ دیا جو قبولیت اسلام کا سبب بنا۔ بیان کرتی ہیں کہ ''میں کتنی کوشش کروں اس تاثر کے تناسب کو بیان نہیں کر سکتی جو قرآن نے میرے دل میں نقش کیا۔'' اسلام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''اگر اسلام کے صالح نظام حیات کا موجودہ مغرب کی معاشرتی زندگی سے موازنہ کیا جائے تو اسلامی نظام حیات کا تفوق اور مغربی معاشرے کا کھوکھلا پن کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔''

..........(۷۴)..........

برطانوی خاتون محترمہ میوس بی جولی مذہباً عیسائی تھیں۔ عیسائیت کا گہرائی سے مطالعہ کرنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ کرسچینٹی کا معاملہ خاصا غیر اطمینان بخش ہے۔ پھر انہوں نے اسلام کے بارے میں معلومات دوستوں اور رسالوں کے ذریعہ جمع کرنی شروع کر دیں۔ بیان کرتی ہیں کہ ''اسلامی تعلیمات جان لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ مذہب جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے انسانیت کے لئے رحمت بن کر آیا اس پر صدیوں پہلے بھی کوئی سبقت نہ لے جا سکا اور آج بھی عدل کے معاملے میں دنیا کی کوئی بھی ترقی یافتہ ترین حکومت اس پر سبقت نہیں لے جا سکتی بلکہ وہ خود ایک زمانے سے اس کے قوانین سے بہت کچھ اخذ کرتے رہے ہیں۔ مزید برآں قرآن کے مطالعہ نے مجھے مکمل طمانیت عطا کی۔''

..........(۷۵)..........

ایک غیر مسلم امریکی خاتون کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ مختلف مذاہب کے بارے میں کئی کتابیں پڑھیں۔ ایک دن ایک پمفلٹ ملا جو عربی زبان میں تھا۔ اس کو پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''میں نے اس کو باآواز بلند پڑھنا شروع کیا اور ابھی نصف تک ہی پہنچی تھی کہ مجھ پر لرزہ طاری ہونے لگا اور اس وقت جب میں نے اسے پڑھنا ختم کیا تو اس کا جو مفہوم میں نے سمجھا تھا اس سے میں اتنی متاثر ہو چکی تھی کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دراصل وہ قرآن مجید کی سورۃ الفاتحہ تھی۔ یہ واقعہ ان کے قبول اسلام کا باعث بنا۔''

..........(۷۶)..........

فرانسیسی خاتون جو بدھ مت سے تعلق رکھتی تھیں سائنسی فکر کی مالکہ تھیں۔ مراکش کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی جن سے اسلام کے بارے میں کافی معلومات حاصل کیں۔ اپنے اسلام قبول کرنے کی روداد سناتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''جب میں نے یہ پڑھا کہ قرآن مجید نے چودہ سو سال قبل ان سائنسی علوم کے انکشافات کیے تھے جنہیں ہم آج جدید ٹیکنالوجی سے دریافت کر رہے ہیں تو حیران رہ گئی۔ قرآن نے میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔''

..........(۷۷)..........

برطانوی خاتون محترمہ مسعودہ سائمن مذہباً عیسائی تھیں۔ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اسلام کی برکات کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''مجھے اسلام کے بغیر ایسا کوئی مذہب نہیں ملا جس کی طرف لوگ کھنچے چلے آئے ہوں اور اسے استدلال کی بنا پر قبول کیا ہو۔''

..........(۷۸)..........

جرمن خاتون محترمہ سکینہ جن کا سابقہ نام کالا بارٹیل اور سابقہ مذہب عیسائیت تھا فلم اور اسٹیج کی معروف اداکارہ تھیں اور جرمنی کے ہر حصہ میں ان کے شیدائی موجود تھے۔ اتنی شہرت اور پُر تکلف زندگی گزارنے کے باوجود خود کو غیر مطمئن محسوس کرتیں اور روحانی طور پر شدید انتشار کا شکار رہتیں۔ روحانیت وطمانیت کی تلاش میں ہر اتوار کو چرچ جانے لگیں مگر بے سود۔ اسی جستجو میں مختلف ممالک کی سیاحت کا پروگرام بنایا۔ کہتی ہیں کہ ''میں مصر گئی تو قاہرہ میں مساجد کے میناروں سے بلند ہوئی اذانوں سے بہت متاثر ہوئی۔ چنانچہ میرے دل میں اسلام کے متعلق جاننے کی خواہش پیدا ہوئی جو ایک تڑپ کی صورت اختیار کر گئی۔ اس کے بعد مصری عوام سے گھل مل کر ان سے گفتگو کرتی رہی اور جامعہ ازہر میں جا کر اسلام کے بارے میں معلومات میں اضافہ کرتی رہی۔ یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میں مسلمان پیدا ہوئی ہوں اور یہ کہ اسلام ہی دین فطرت ہے اور انسان کی زندگی کے تمام مادی اور روحانی مسائل کا حل

اس میں موجود ہے۔" اسلام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اگر اہل یورپ پر اسلام کی تمام خوبیاں اور برکات روشن ہو جائیں تو یہ ایک لمحہ اس سے دور نہیں رہ سکتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی وسیع پیمانے پر تبلیغ کی جائے۔"

(۷۹)

برطانوی خاتون محترمہ ایولین مذہباً عیسائی تھیں۔ اپنے اسلام قبول کرنے کی روداد سناتے ہوئے کہتی ہیں کہ "مجھے بچپن ہی سے عربی زبان سے محبت تھی اور مسجد کی طرف میلان تھا۔ ایک دن پوپ سے ملاقات کے لئے اس کے دربار میں گئی تو دربار کی عظمت اور پوپ کے دبدبہ و جلال سے نہایت مرعوب ہوگئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تم کیتھولک عیسائی ہو؟ میری زبان سے بے ساختہ نکلا میں مسلمان ہوں اور اس واقعہ کے بعد اسلام کا مطالعہ کر کے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔"

(۸۰)

ایک انڈین خاتون جو ہندومت سے تعلق رکھتی تھیں ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ کہتے ہیں کہ جب ان سے اسلام قبول کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگیں کہ "میں نہ تو کسی مبلغ یا مولوی سے ملی اور نہ ہی کوئی اسلام کی کتاب پڑھی۔ صرف ہندو اور مسلم عورتوں میں نمایاں فرق دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ فرق یہ تھا کہ مجھے جتنی بھی ہندو عورتیں ملیں ان کے جسم سے ایک خاص قسم کی بدبو آتی تھی حالانکہ وہ امیر گھرانے سے متعلق تھیں اور جتنی مسلم عورتیں ملیں اگرچہ وہ غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ نہ تھا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچی کہ مسلمان چونکہ ایمان دار ہوتے ہیں اس لئے ان کی روح بھی پاک ہوتی ہے لہذا ان کے جسم سے کسی قسم کی بدبو نہیں آتی جبکہ ہندو مشرک ہوتے ہیں اور ان کی روح پلید اور نجس ہوتی ہے اس لئے ان کے جسم بھی بدبو سے پاک نہیں ہوتے۔"

(۸۱)

امریکن خاتون جو مذہباً عیسائی تھیں اسلام کے شدید خلاف تھیں اور اسے عورتوں

کے حق میں ظالم سمجھتی تھیں۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "جب میں یونیورسٹی پہنچی تو کئی مسلمان طلبہ سے واسطہ پڑا۔ لاشعوری طور پر بہت متاثر ہوئی اور ان کے مذہب کے بارے میں جاننے کی تمنا دل میں پیدا ہوئی کیونکہ ان کے کردار میں کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی انتہائی نمایاں تھی اور وہ بہت مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔ بتدریج اسلام میرے دل میں گھر کرنے لگا اور جوں جوں اس کے متعلق میرا علم بڑھتا گیا یہ مجھے اتنا ہی محبوب لگنے لگا۔ خاص طور پر اسلام کے عطا کردہ حقوق و احترام اور بلند مرتبے کے متعلق علم نے مجھے مبہوت ہی کر ڈالا۔ آخرکار میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور باقاعدہ مسلمان بن گئی۔"

(۸۲)

جاپانی خاتون محترمہ آمنہ اور ان کی بہن بدھ مت سے تعلق رکھتی تھیں اور اسلام کے بارے میں کئی شکوک و شبہات کا شکار تھیں اور اسے عورتوں کے حق میں "قصاب" سمجھتی تھیں۔ چند مسلمان مبلغین سے ایک ملاقات میں انہوں نے سوال کیا کہ اسلام کا عورتوں کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ مسلمان مبلغین نے انگریزی ترجمہ والے قرآن مجید میں ایک آیت سامنے رکھی جس کا ترجمہ یہ ہے: "بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبردار اور فرمانبردارایں اور سچے اور سچیاں اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی پارسائی نگاہ رکھنے والے اور پارسائی نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کے لئے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔" (الاحزاب:۳۵) تو دونوں نے تعجب سے پکارا "مکمل مساوات کا اعلیٰ ترین نمونہ" اور کچھ مزید گفت و شنید کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

قبول اسلام کی چند وجوہات میں نے اپنے معزز قارئین کی عدالت میں پیش کی ہیں انصاف و دیانت کے ساتھ ان کا مطالعہ ۸۲ نو مسلم خواتین کی اسلام کے بارے میں منصفانہ رائے سے شناسائی اور اسلام کے حقیقی موقف سے واقفیت و شناسائی کا سبب بنے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کا حقیقی فہم، شعور اور خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اہل علم کا قبولِ اسلام

تحریر........... ایم۔اے قاضی

محمد اسد

میں نے ۱۹۲۲ء میں اپنا وطن آسٹریا چھوڑا اور افریقہ و ایشیا کا سفر کیا اور تقریباً
تمام وقت اسلامی ملکوں میں گزرا ان ملکوں میں میں نے ایک ایسا سماجی نظام اور معاشرہ
دیکھا جو کہ یورپ کے مادہ پرست اور مشینی معاشرے سے بالکل مختلف تھا بلکہ یوں کہنا
چاہیے کہ زندگی کا اصل انسانی تصور دیکھا۔پھر میرے دل میں یہ بات معلوم کرنے کا شوق
پیدا ہوا کہ آخر ایسا کیوں ہے آہستہ آہستہ میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا جس کا اثر یہ
ہوا کہ میرے دل میں انسانوں کے بارے میں برادرانہ جذبات پیدا ہوئے ساتھ ہی یہ
بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کی زندگی اسلام کی تعلیمات سے بہت دور ہے اصل اسلام
تو کچھ اور ہے۔اسلام لوگوں کو ترقی ذہن۔ارتقاء انسانیت اور دوسروں کی بھلائی کے لئے
اپنا مفاد قربان کرنا سکھاتا ہے مگر مسلمان تنگ نظر۔مفاد پرست اور جدوجہد سے دور عملی جمود
کا شکار ہیں ان کو زندگی میں آرام پسندی زیادہ پیاری ہے۔اس دریافت کے بعد میں
عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو گیا۔میں نے ذہنی طور پر خودکو دائرہ اسلام میں محسوس کرنا شروع
کر دیا حالانکہ یہ صرف ایک عملی تجربہ تھا۔پھر مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ مسلمانوں
کے معاشرتی' ثقافتی زوال کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں سچا اسلامی جذبہ
ختم ہو چکا ہے۔اسلام اپنی جگہ اصل حقیقت کے ساتھ موجود ہے لیکن مسلمان ایک ایسا جسم
ہیں۔جس سے روح نکال دی گئی ہو جس جذبے کی موجودگی نے مسلمانوں کو طاقت اور
عزت بخشی تھی اس کی عدم موجودگی کمزوری اور زوال کا سبب بن گئی ہے۔جوں جوں مجھ کو
معلوم ہوتا گیا کہ اسلام کی تعلیم کتنی ٹھوس اور عملی ہے یہ جاننے کا شوق بڑھتا رہا کہ
مسلمانوں کی عملی زندگی اسلام سے اتنی دور کیوں ہے۔میں نے اس مسئلے پر افریقہ' عرب

ایشیا کے مسلمانوں سے بحث کی اور میرا انداز یہ ہوتا جیسے کہ میں اسلام کا دفاع کر رہا ہوں
حالانکہ میں عیسائی تھا میں مسلمانوں سے شکایت کرتا کہ تمہاری زندگی وہ نہیں ہے جو کہ
ہونی چاہیے۔یہاں تک کہ افغانستان کے ایک صوبے کے نوجوان گورنر نے مجھ سے
خیالات سننے کے بعد کہا کہ:

''تم دراصل اندر سے مسلمان ہو مگر تم کو اس کا علم نہیں۔''

یہ بات اس نے ۱۹۲۵ء کے موسم خزاں میں کہی تھی اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ
۱۹۲۶ء میں جب میں یورپ واپس آیا تو میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں
اسلام قبول کر لوں اور میں خدا کے فضل سے مسلمان ہو گیا۔الحمد للہ۔

کچھ لوگ بار بار مجھ سے یہ پوچھتے کہ تم نے اسلام میں کیا دیکھا اس کا قابل
اطمینان جواب تو میرے پاس نہیں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ مجھ کو اسلامی تعلیم کی کسی ایک
خاص بات نے متاثر نہیں کیا بلکہ اسلام ایک مجموعہ ہے اخلاقی تعلیم اور عملی زندگی کے قابل
عمل فطری پروگرام کا۔میں اب تک یہ نہ جان سکا کہ اسلام کا کونسا پہلو مجھے دوسرے پہلو
سے زیادہ متاثر کرتا ہے بلکہ یوں کہنا درست ہے کہ اسلام ایک مکمل عمارت ہے جس میں
معمار نے کوئی نقص نہیں چھوڑا ہے۔ہر شئے دوسرے سے مربوط ہے جس میں ایک توازن
ہے حسن ہے۔گویا جو چیز جہاں ہے خوب ہے نہ رائی برابر کمی ہے نہ رائی برابر زیادتی ہے۔
ایک حسین و مکمل عمارت جس کو قدرت کا عظیم شاہکار کہنا چاہیے۔

میرا اسلام میں داخل ہونا ایسا ہے کہ کوئی اجنبی کسی خوبصورت عمارت کی سیر کو آئے
اور پھر عمارت اتنی پسند آ جائے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہ جائے کبھی باہر نہ
نکلے۔مسلمان ہونے کے بعد میں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا عربی زبان سیکھی اور اسلامی
تاریخ کا مطالعہ بھی کیا ساتھ ہی ان کتابوں کا مطالعہ بھی کیا جو کہ اسلام کے بارے میں لکھی
گئی تھیں اور ان کا بھی جو اسلام کے خلاف لکھی گئی تھیں۔میں نے پانچ سال سرزمین حجاز میں
گزارے جس میں زیادہ سے زیادہ عرصہ مدینہ منورہ میں گزارا۔دراصل میں وہ جگہ اور ماحول

دیکھنا چاہتا تھا جہاں رسول اکرم ﷺ نے اسلام کی تبلیغ فرمائی تھی۔سرزمین حجاز مسلمانوں کا
مرکز ہے جہاں وہ مختلف ممالک سے آ کر جمع ہوتے ہیں زمانہ حج میں۔میں نے یہاں رہ کر
دنیا کے مختلف ممالک سے آنے والے مسلمانوں کی تہذیب اور ثقافت کا موازنہ کیا جو کہ آج
کے دور میں پائی جاتی ہے ان کے مذہبی خیالات معلوم کئے جس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں ایک
نہایت پختہ عقیدہ رکھنے والا مسلمان بن گیا اور میرے دل میں سچا انسانی و روحانی جذبہ بیدار
ہوگیا۔جس کی بدولت میں اسلام کو عالمگیر حقیقت کی حیثیت سے قبول کیا۔

محمد اسد کی شخصیت

اصل نام لیوپولڈوز ہے آپ ۱۹۰۰ء میں آسٹریا میں پیدا ہوئے۔بائیس سال کی
عمر میں مشرق وسطیٰ کا سفر کیا۔بعد میں افریقہ' ایشیاء کا سفر کیا اسلام قبول کرنے کے بعد عظیم
مسلمان عالم و مفکر بنے۔آپ صحافی بھی تھے۔بہت سے اخباروں کے غیر ملکی نامہ نگار بھی
تھے۔پاکستان بننے کے بعد ادارہ اسلامی تعمیر نو کے ڈائریکٹر بنے اس کے بعد اقوام متحدہ
میں پاکستان کے متبادل نمائندے بھی رہے۔صحافتی نمائندگی' سیاسی نمائندگی کے علاوہ دو
بہت ہی مشہور کتابوں کے آپ مصنف بھی ہیں۔ایک رسالہ عرفات بھی جاری کیا نہ صرف
یہ بلکہ قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا۔

کتابوں کے نام

(۱) اسلام دوراہے پر۔ Is'lam at the Crossroad.

(۲) روڈ ٹو مکہ۔ Road to Mecca.

الحاج لارڈ ہیڈلے الفاروق

ممکن ہے کچھ لوگ یہ سمجھیں کہ میں نے مسلمانوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا
ہے۔دراصل ایسا نہیں ہے بلکہ یہ میرے کئی سال کے سوچ بچار کا نتیجہ ہے۔جب میری
تعلیم یافتہ مسلمانوں سے گفتگو ہوئی تو یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ میرے نظریات اور میری

فکر اسلام سے بہت ملتی جلتی ہے۔قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق کسی چیز کو اختیار کرنے یا
قبول کرنے کے بارے میں جبر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کا فیصلہ فکری آزادی اور حقیقی
انصاف کے مطابق کرنا چاہیے۔اچھی بری شئے کے بارے میں افراد کی راہنمائی تو کی جا
سکتی ہے مگر ان کو مجبور نہیں کرنا چاہیے۔

میں ایسے بہت سے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو جانتا ہوں جو ہر سال روم صرف
اس لئے جاتے ہیں کہ کیتھولک عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ بنایا جائے اس غیر دوستانہ طریقہ کار
کا نتیجہ تنازعہ کی صورت میں نکلتا ہے جس سے غیر اطمینانی صورتحال پیدا ہوتی ہے جو کہ
قابل مذمت ہے۔میں یہ جان کر بہت مغموم ہو کہ عیسائی مشنری مختلف ہتھکنڈے
مسلمانوں پر بھی آزماتے ہیں مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ مسلمان
ایمان اور عقیدے کے اعتبار سے عیسائیوں کی نسبت زیادہ مذہبی ہیں ان میں
خیرات۔صبر و قناعت' فراخدلی کے جذبات پائے جاتے ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات
کے خود ہی بہت نزدیک ہیں اور اس کے برعکس مختلف عیسائی مکتب فکر تنگ نظری کا مظاہرہ
کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے تنگ دل ہیں۔مثال کے طور پر ایک عقیدہ یہ ہے
کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا نہیں ماننا چاہیے اور دوسری جانب یہ بھی کہا جاتا ہے
کہ نجات حاصل کرنے کے لئے خدا کو باپ اور حضرت عیسیٰ کو بیٹا ماننا بہت ضروری ہے
غرض کہ عیسائیت میں عقیدے کے معاملے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اور تثلیث کو
عجیب طریقے پر پیش کیا جاتا ہے۔ایک جانب خدا کا جو تصور ابھرتا ہے وہ رحم کرنے
والا۔عدل کرنے والا اور ہر چیز کا مالک ہے جبکہ دوسری جانب ظالم اور بے انصاف خدا
کا تصور ابھرتا ہے غرض کہ کوئی بھی چیز واضح اور سیدھی سادی نہیں ہے بلکہ گورکھ دھندا
ہے۔

ایک مرتبہ مجھے ایک خط ملا جس میں میرے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ تھا اور
مجھے یہ لکھا گیا کہ اگر حضرت عیسیٰ کی آسمانی بادشاہت کو نہیں مانو گے تو تمہاری نجات نہیں

ہوگی۔مگر میرے نزدیک یہ بات زیادہ اہم رہی ہے کہ وہ خدا کے سچے پیغمبر تھے۔میرا بھی حضرت عیسیٰ کے بارے میں اور ان کی تعلیمات کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو میرے دوسرے مسلمان بھائیوں کا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے قول کے مطابق عیسائیت اسلام کی بہن ہے۔مسلمانوں میں لا مذہب ہونے والوں کی مثال بہت کم ہے۔شاید لاکھوں میں ایک ہوگا بلکہ ہزاروں افراد ایسے ہیں کہ جن کا دل مسلمان ہے اندر سے اسلام کی سچائی کو قبول کر چکے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کرتے کہ دوسری مشکلات نہ پیدا ہو جائیں۔لیکن میں نے اس کا کھلے بندوں اظہار کیا میرے بہت سے دوستوں اور رشتہ داروں نے بھٹک جانے والی روح جانا مگر میں اب بھی وہی عقیدہ رکھتا ہوں جو بیس سال قبل رکھتا تھا۔مجھے اُمید ہے کہ دوسرے لوگ بھی میری تقلید کر کے اچھی مثال قائم کریں گے۔

شخصیت کا تعارف

آپ ۱۸۵۵ء میں انگلستان میں پیدا ہوئے کیمبرج میں تعلیم حاصل کی پھر فوج میں کیپٹن اور بعد میں لیفٹیننٹ کرنل بنے۔

اگرچہ پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے مگر علمی و ادبی ذوق کے مالک تھے سالسبری جرنل نامی رسالے کے مدیر بھی رہے۔

بہت سی کتابوں کے مصنف جن میں مشہور ترین کتاب کا نام:

A western awakening to Islam.

آپ نے ۱۶ نومبر ۱۹۱۸ء کو اسلام قبول کیا اور اسلامی نام شیخ رحمت اللہ الفاروق اختیار کیا تمام دنیا کی سیر کی اور ۱۹۲۸ء میں برصغیر کا سفر بھی کیا تھا۔

سر عبداللہ آرچیبالڈ ہملٹن

جب میں سنجیدگی کی عمر کو پہنچا تو اسلام کی سادگی اور خوبصورت صداقت نے مجھے بہت متاثر کیا لیکن عیسائی ہوتے ہوئے بھی میں نے کلیسا کے عقیدے کو آنکھ بند

کر کے کبھی قبول نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ و مقصد کے بارے میں بھی غور کیا کرتا تھا۔وقت گزرتا رہا اور پھر میں نے دیکھا کہ کلیسا کے مختلف عقیدے میرے لئے بیکار ہیں۔اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو بے سہارا اور دھتکارے ہوئے لوگوں کے حقوق کا بھی نگہبان ہے ان کی انفرادیت اور اہمیت کو تسلیم کرتا ہے انسان اس وقت تین حصوں میں بٹا ہوا ہے ایک تو وہ لوگ ہیں جن کو قدرت نے دولت و مال عزت عطا کی ہے۔دوسری جانب وہ جن کو زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے سخت محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے اور تیسرا طبقہ ان بے روزگار غریبوں مفلسوں اور پریشان لوگوں کا ہے جو مصیبت کا شکار ہیں اور یہ مصیبت ان کی اپنی غلطی نہیں ہے۔اسلام نے کسی ایک طبقے کا خیال نہیں رکھا بلکہ غریبوں' یتیموں' محتاجوں کی خبرگیری کا حکم دیا ہے مثال کے طور پر ایک زمیندار جس کے پاس بے حساب زمین ہے اور وہ تمام پر کاشت نہیں کر سکتا ہے تو وہ زمین قومی املاک تصور ہوگی اور اس پر بے زمین کاشتکار کا حق ہوگا اس لئے کہ زمین کو بے کاشت رکھنا ہوگا۔اسلام سختی سے جوئے اور اس کی تمام قسموں مثلاً لاٹری وغیرہ کو منع کرتا ہے شراب پینا حرام ہے جو کہ خود برائیوں کا مجموعہ ہے اور انسانیت کو شراب نوشی سے بےحد نقصان پہنچا ہے اسلام میں دوسروں کی سادگی اور شرافت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا دھوکہ دینا ناجائز ہے اس میں تعمیری فکر موجود ہے۔تخریب منع ہے اُصول پرستی اور قانون پسندی کی تلقین ہے۔عمل کے بغیر ایمان بے خوشبو کا پھول ہے ہمیں اپنا محاسبہ خود کرنا چاہیے ہر شخص کو اپنے اچھے اور برے کی جزا و سزا بھگتنی ہوگی۔مرد اور عورت حقوق' مرتبہ' اہمیت' قابلیت' روحانیت اور اخلاقیات میں برابر کے شریک ہیں تمام مسلمانوں کو عالمی بھائی چارے کی تلقین کی گئی ہے۔اسلام کی نظر میں آقا و غلام امیر و غریب برابر ہیں۔میرے مسلمان بھائی میرے ساتھ ہمیشہ انسانیت شرافت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔میں نے ان کو ہمدرد اور بھائی پایا ہے ان کے درمیان میں نے کبھی اجنبیت محسوس نہیں کی ہے۔

نقطۂ نظر

دُشمنانِ اسلام کا بُغض و کینہ

علامہ جلال العالم کے مضمون کو قاضی ابوسلمان اردو میں پیش کرتے ہیں

یورپ (مغرب) اور مُسلم اقوام کے مابین پائے جانے والے تعلقات کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ جس شخص نے بھی اس تاریخ کو ذرا گہرائی میں اُتر کر پڑھا ہے اس سے وہ زہریلا بغض و کینہ چھپا نہیں رہ سکتا جس نے جنون کی حد تک یورپ (مغرب) کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اس زہریلے بُغض و کینہ کے ساتھ ساتھ یورپ کے دل و دماغ اور اس کی نفسیات میں اسلام اور مُسلمانوں کے بارے میں زبردست خوف اور دہشت کے جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں۔ اب اگر وہ بُغض و کینہ اور یہ خوف و دہشت کی نفسیات ایک انفرادی احساس و شعور کی حد تک افراد کے ہاں پائی جاتی تو پھر بھی ہمیں ان کے بارے میں کسی طرح کی پریشانی سے دوچار ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یورپ (مغرب) میں اسلام اور عالم اسلامی کے بارے میں جتنے بھی سیاسی و اقتصادی نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں ان کی تشکیل و تکوین کے جتنے بھی اسباب و عوامل پائے جاتے ہیں ان میں اس زہریلے بغض و کینے اور خوف و دہشت کی اس نفسیات کو مرکزی و بنیادی مقام حاصل ہے بلکہ یہی چیزیں ان افکار و تصورات کی تشکیل پذیری سے لے کر انہیں مزید واضح سے واضح تر بنانے میں اور انہیں اسلام اور مسلمان کے خلاف ایک خاص سمت اور رُخ پر لگانے میں یہ مرکزی کردار انجام دے رہی ہیں۔ لہٰذا یورپ کے بارے میں ہمارے نقطہ نظر کو بھی اس حوالے سے لازماً جوابی عمل کے طور پر واضح اور فیصلہ کن صورت اختیار کرنی چاہیے۔ آنے والے صفحات میں

قارئین یورپی قائدین و مفکرین کے اپنے اقوال اور تحریروں سے اس امر کو روزِ روشن کی طرح جان لیں گے کہ یورپی انسان اور اس کی تہذیب و تمدن کے جتنے بھی گوناگوں شعبے، پہلو یا نقطہ ہائے نظر ہیں ان میں قومی و سیاسی اختلاف و تنوع کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں دُشمنی اور عناد میں یہ سب لوگ مشترک ہیں یعنی یہ تمام افراد، اقوام اور ان کی حکومتیں ایک چیز پر مکمل طور پر متفق ہیں کہ اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے دن رات جدوجہد کرنے کی بے پناہ ضرورت ہے اور یہ لوگ انتہائی بے رحمی کے ساتھ مسلم عوام اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اور انہیں بے دست و پا کرنے میں کسی طرح کی غفلت یا تساہل سے کام لینے کے بالکل روادار نہیں ہیں۔

ان اقوام اور ان کے حکمرانوں نے اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے صلیبی جنگوں کے دوران سر دھڑ کی بازی لگا دی، لیکن ان کے ان لکھو کھہا لشکروں کو انجام کار مسلم ممالک پر اپنی اس چڑھائی اور حملوں میں سوائے ذلت و رسوائی اور پسپائی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ ان مسلسل پسپائیوں نے آخرکار انہیں سوچنے اور اپنی اس جنگجویانہ حکمت عملی کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ حکمت عملی کی اس تبدیلی کے نتیجے میں یورپ میں نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کا آغاز ہوا اور اس طرح ایک نئے اسلوب و انداز سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے ہاں منصوبہ بندی کی جانے لگی تاکہ یورپ والے بہتر، بھرپور اور فیصلہ کن انداز میں اسلام اور مُسلم ممالک اور ان کے عوام اور حکمرانوں پر تازہ دم فوجوں اور نت نئے لیکن پُر فریب افکار و تصورات سے حملہ آور ہو سکیں۔ ان کی اس تمام تگ و دو کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ اسلام اور مُسلمانوں کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ جب یورپی فوجی جنگی لباس زیب تن کر کے مُسلمان ممالک کو اپنی نو آبادیاں بنانے کے لیے بلادِ اسلامیہ کا رُخ کرتے تھے تو وہ اپنی ماؤں سے رخصت طلب کرنے کے دوران بڑی بلند آواز کے

ساتھ اس طرح کے کلمات دُہرایا کرتے تھے۔ ''اے میری پیاری ماں! اے میری پیاری ماں! ذرا مجھے دیکھ اپنی اس دُعا کو مختصر کر دے' اب اس آہ و بکا کو بند کر دے۔ ذرا دیکھ تو سہی تیرا یہ پیارا بیٹا اس وقت کس لباس میں ملبوس ہے اور کس ارادے اور کس نیت کے ساتھ اور کن کو تباہ و برباد کرنے کے لیے فرحاں و شاداں تیرے سامنے رُخصت طلب کرنے اور تجھے الوداعی سلام کہنے اور تیرے قدم چومنے کے لیے تیرے حضور حاضر ہے۔ اے ماں! مَیں طرابلس کی طرف جا رہا ہوں تو جانتی ہے کہ وہاں کون سی ملعون اُمت رہتی ہے۔ سُن اے میری ماں! کہ مَیں اس ملعون امت کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دوں گا اور اس مقصد کے لیے جامِ شہادت نوش کرنے کو اپنے اور تیرے لیے باعثِ فخر سمجھوں گا۔ اے ماں! مَیں تیرے حضور میں سچا عہد کرتا ہوں کہ میں اسلام اور مُسلمانوں کے خلاف سر بکف ہو کر لڑوں گا اور مَیں اپنی پوری قوت و طاقت سے اسلام' قرآن اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے لیے خونریز جنگ میں اپنے آپ کو جھونک دوں گا اور کسی قیمت پر بھی اپنی جان بچانے کے لیے پسپائی قبول نہیں کروں گا۔''

ماں اپنے بچے کے ان کلمات کو سُن کر پہلے اس کا ماتھا چومتی پھر اُسے اپنی چھاتی سے لگاتی' پھر اُسے اپنی چھاتی سے جُدا کرتے ہوئے یوں الوداع کہتی: اے میرے بیٹے! مَیں نے تجھے اسی مقصد کے لیے جنا تھا اور اسی شہادت کے لیے مَیں نے تجھے اپنا دودھ پلایا اور پروان چڑھایا تھا۔ جا ہماری فکر سے بے پروا ہو کر جا۔ وہاں یہ نہ سوچنا کہ مَیں' تیرا باپ اور تیرے دوسرے بہن بھائی کس حال میں ہیں؟ ہمیں بُھول جانا لیکن تجھے میں اپنے ربنا المسیح کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ جو کچھ تُو نے میرے حضور قسم کھا کر کہا ہے اُسے سچا کر دکھانا اور اپنی جان بچانے کے لیے پسپائی قبول نہ کرنا۔ اگر تُو نے شہادت کی بجائے اپنی جان بچائی تو یاد رکھنا مَیں تجھ سے کبھی راضی نہیں ہوں گی اور نہ ہی مَیں تجھے اپنا بیٹا تسلیم کروں گی۔

غرضیکہ ان جذبات کے ساتھ یورپ کے یہ جنوبی لشکر' اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا کرتے تھے اور اس جنون کے ہاتھوں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو مظالم ڈھائے ہیں وہ تاریخ کا ایسا باب بن چکے ہیں کہ جسے کسی بھی قیمت پر نہ تو محو کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اُسے بُھلایا جا سکتا ہے۔

☆ حسد و کینہ سے بھرے ہوئے دشمنانِ اسلام کے یہ لشکر' اُمت اسلامیہ کے مقابلہ میں یقیناً کامیاب ہو گئے۔ ان کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اُمتِ اسلامیہ کی قیادت جن قائدین کے ہاتھ میں تھی وہ ملت کے غم خوار و بہی خواہ ہونے کی بجائے وہ خود ہی اس سے برسر پیکار تھے۔ انہیں اُمت مسلمہ سے اس حد تک نفرت تھی کہ خود ہی اُسے تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں بھلا یہ لوگ اُمتِ اسلامیہ کا کیا دفاع کرتے' کیونکہ خود اُمت مسلمہ کو جگہ جگہ پر خود اپنے انہی قائدین کے ہاتھوں ذبح ہونا پڑ رہا تھا۔ وہ یہ کیسے سوچتی کہ اسے کون ذبح کر رہا ہے آیا' وہ اس کا کوئی اپنا قائد ہے یا یہ کام کوئی دوسرا بیرونی و اجنبی حملہ آور انجام دے رہا ہے؟

جب ان یورپی افواج اور ان کے حکمرانوں نے بلادِ اسلامیہ کے عوام اور وہاں کے علاقوں اور ان کے وسائل پر اپنا قبضہ جما لیا اور وہاں ان کا تسلّط مستحکم ہو گیا اور بلادِ اسلامیہ بمعہ اپنے وسائل اور عوام کے' ان کے شکنجے میں اچھی طرح جکڑ لیے گئے تو ان یورپی افواج' اقوام اور ان کے حکمرانوں نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا اور ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت کیا رہی۔ آنے والے صفحات میں ہم تاریخی شہادت سے اس سوال کا جواب دینے کی ادنیٰ سی کوشش کر رہے ہیں۔

ان یورپی افواج نے اُمتِ اسلامیہ کی جان و مال عزت و آبرو غرضیکہ ہر چیز کو اپنے لیے مالِ مُباح سمجھ لیا۔ ان کی مسجدوں کو یا تو گرا دیا یا انہیں گرجوں میں تبدیل کر لیا یا ایسی تدابیر اختیار کیں کہ مساجد تباہ و ویران ہو کر آہستہ آہستہ کھنڈرات

میں خود ہی تبدیل ہو جاتیں یا ایسی تدابیر اختیار کیں کہ مساجد تو نمازیوں سے بھری ہوں لیکن ان کے اماموں اور ان کے نمازیوں کو رُوحِ جہاد سے بالکل خالی کر دیا تا کہ یہ مساجد اُمتِ مسلمہ کی تشکیل و تعمیر اور اس کے بقاء و استحکام میں جو مرکزی اور راہنمایانہ کردار انجام دیتی ہیں۔ وہ اس کردار کی ادائیگی سے عاجز آ کر پرستش کے لیے (فقط) چار دیواریاں بن کر رہ جائیں' ان یورپی اقوام نے بلادِ اسلامیہ میں پائے جانے والے کُتب خانوں کو پہلے لوٹا پھر جلا دیا اور ان کا قیمتی علمی و کتابی سرمایہ اپنے ممالک کی طرف منتقل کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بلادِ اسلامیہ میں پائی جانے والی صنعت و حرفت کو تباہ و برباد کیا حتیٰ کہ ان کے کاریگروں اور صناعوں کے ہاتھ تک کٹوا دیئے تا کہ ان کی صنعت و حرفت مفلوج ہو کر آخر کار بالکل ناپید ہو جائے اور اس طرح یہ تمام بلادِ اسلامیہ یورپ کے لیے خام مال پیدا کرنے والے علاقوں میں تبدیل ہو جائیں اور دوسری طرف یورپی صنعت و حرفت اور ان کی پیدا کردہ مصنوعات کے لیے بلادِ اسلامیہ ہر دم تازہ اور رواں دواں منڈیوں کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ ان یورپی اقوام نے بوقتِ ضرورت مُسلمانوں کو جلانے تک میں کوئی شرم و حیاء محسوس نہیں کی۔

اس ضمن میں خود مغربی مؤرخین نے ماضی و حال کے ان یورپی 'کارناموں' کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کر لینا ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام تحریروں کو یکجا اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا تو ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ تمام عالمِ اسلامی کا اس حوالے سے جائزہ لینا تو کسی طرح بھی فی الحال ممکن نہیں ہے اور یورپ نے جو لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ستم وہاں روا رکھا ہے اسے بیان کرنے سے تو فی الحال ہم قاصر ہیں لیکن ممالک اسلامیہ میں سے بعض میں یورپ نے جو گھناؤنے کارنامے سر انجام دیئے ہیں ان میں سے صرف چند ہی کی جانب اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرا سکنے کو ہم اپنے لیے بہت بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں۔

شہادتِ حُسین رضی اللہ عنہ

در فکرِ اقبال

از...... پروفیسر محمد صدیق قمر

واقعۂ کربلا اور شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ صرف اسلامی تاریخ ہی نہیں بلکہ پوری انسانی تاریخ کا ایک ایسا عدیم المثال اور کثیر الجہات سانحہ ہے کہ جس کی اصولی وجہ اور بنیادی فلسفہ نہ صرف انسانی تاریخ کے مطالعہ کے لیے ایک بے مثال اور مستحکم ترین زاویہ عطا کرتا ہے بلکہ خود انسانی تہذیب و تمدن' شرافت و نجابت' عزت و عظمت اور وقارِ انسانیت کے اصولوں اور اساسیات کا تعین بھی کرتا ہے۔ نہ غم حسین دُنیا کے تمام باضمیر' اصول پرست' جمہوریت پسند اور باحمیت انسانوں کی مشترکہ میراث اور مشترکہ اثاثہ ہے۔ شہادتِ حسین اُسی تاریخی کشمکش کا ایک عظیم مرحلہ ہے جو کبھی ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین برپا ہوتی ہے تو کبھی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا معرکہ چشمِ فلک دیکھتی ہے۔ یہی معرکہ کبھی محمد عربی ﷺ اور ابوجہل و ابولہب کے مابین پیکارِ مسلسل کی صورت میں ڈھلتا ہے تو کبھی حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے مابین تصادم کا رُوپ دھار لیتا ہے۔ حق و باطل کا یہ معرکہ' سچ اور جھوٹ کا یہ تصادم' حق پرستی اور مصلحت پسندی کی یہ لڑائی' بے باکی اور دنائت کا یہ معرکہ ازل سے امروز تک جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ اہل حمیت و عزیمت کی ہمت کا آفتاب' منافقت کی رات سے پہلے نہ کبھی گہنایا ہے اور نہ کبھی گہنائے گا بقولِ شاعر

ے تاریکیوں سے اِن کا نبھاؤ محال ہے
روشن طبیعتوں پہ مسلّط نہ رات کر

(تنویر سپرا)

اور بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

علامہ اقبال کی سوچ، فکر، تصورات اور زاویۂ نگاہ، قرآن کے سانچے میں ڈھلے تھے۔ اُنہوں نے قرآن کے دماغ سے سوچا، قرآن کی نظر سے دیکھا اور قرآنی حقائق کی روشنی میں اپنے افکار کی تشکیل کی۔ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اُن کی فکر معتبر، اُن کا تبصرہ مستند اور اُن کی نگاہ حقیقت رَس ہے۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ شہادتِ حسین کو ایک سیاسی واقعہ نہیں سمجھتے بلکہ حق و باطل کی تاریخی کشمکش کا ایک عظیم اور روشن حوالہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

؎ صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانی دراصل ذبحِ عظیم کی اساس میں موجود عشقِ الٰہی کا ہی یہ اندازِ دگر اظہار ہے بقولِ شاعر

؎ نگار خانۂ فطرت میں یوں بھی ہوتا ہے
محبتوں کے ترانوں میں ذبحِ اسماعیل

(عاطر ہاشمی)

اور بہ نگاہِ اقبال رحمتہ اللہ علیہ

؎ غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتداء ہے اسماعیل

علامہ اقبال واقعۂ کربلا کی حقیقی نوعیت روشن کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) عشق را آرامِ جاں حریت است ناقہ اش را سار باں حریت است
(۲) آں شنید ستی کہ ہنگامِ نبرد عشق باعقل ہوس پرور چہ کرد!
(۳) آں امامِ عاشقاں پور بتول سروے آزادے ز بستانِ رسول ﷺ

(۴) اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر معنی ذبحِ عظیم آمد پسر
(۵) بہرآں شہزادۂ خیر الملل دوشِ ختم المرسلین نعم الجمل
(۶) درمیان اُمت آں کیواں جناب ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب
(۷) موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید ایں دو قوت از حیات آید پدید
(۸) زندہ حق از قوتِ شبیری است باطل آخر داغِ حسرت میری است
(۹) چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت حریت را زہر اندر کام ریخت
(۱۰) خاست آں سر جلوۂ خیر الامم چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
(۱۱) بر زمین کربلا با رید و رفت لالہ در ویرانہ ہا کا رید و رفت
(۱۲) تا قیامت قطعِ استبداد کرد موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد
(۱۳) بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
(۱۴) مدعایش سلطنت بودے اگر خود نکردے با چنیں ساماں سفر
(۱۵) دشمناں چوں ریگ صحرا لا تعد دوستانِ اُو بہ یزداں ہم عدد
(۱۶) سر ابراہیم و اسماعیل بُود یعنی آں اجمال را تفصیل بُود
(۱۷) تیغ بہر عزتِ دین است و بس مقصد او حفظ آئین است و بس
(۱۸) ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
(۱۹) خونِ اُو تفسیر ایں اسرار کرد ملت خوابیدہ را بیدار کرد
(۲۰) تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید از رگِ اربابِ باطل خون کشید
(۲۱) نقشِ الّا اللہ بر صحرا نوشت سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
(۲۲) رمز قرآں از حسینؓ آموختیم ز آتشِ اُو شعلہ ہا اندوختیم
(۲۳) شوکت شام و فر بغداد رفت سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
(۲۴) تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
(۲۵) اے صبا! اے پیک دُور افتادگاں
اشکِ ما برخاکِ پاکِ اُو رساں

(ترتیبِ اشعار کے ساتھ ترتیب وار ترجمہ)

۱۔ عشق کے لیے حریت آرام، سکون اور راحت کا باعث ہے۔عشق کی اُونٹنی کا ساربان حریت ہے۔

۲۔ تو نے سنا کہ لڑائی کے وقت عشق نے ہوس پرور عقل کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

۳،۴۔ وہ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے فرزند ازجمند اور عاشقوں کے امام اور پیشوا جنہیں رسول اللہ ﷺ کے باغ میں سرو آزاد کی حیثیت حاصل تھی، اُن کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ بسم اللہ کی ب تھے اور فرزند یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ قرآنِ مجید کی آیت وَ فَدَیْنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ کا مطلب اور معنی (عملی تفسیر) بن گئے۔

۵۔ ملت اسلامیہ کے اس شہزادے کی یہ شان تھی کہ ختم الرسل ﷺ کا دوشِ مبارک اس کے لئے اچھی سواری قرار پایا ہے۔

۶۔ امامِ حسین رضی اللہ عنہ کا رُتبہ بلندی میں آسمان کے برابر تھا۔اُمت میں اُن کو وہی حیثیت حاصل تھی جو سورۂ اخلاص کو قرآن میں حاصل ہے۔

۷۔ موسیٰ اور فرعون، شبیر اور یزید خاص افراد تھے اور دراصل دو متضاد قوتوں کے علمبردار تھے اور یہ دو قوتیں انسانی زندگی کے دو اُصول ہیں۔

۸۔ حق قوتِ شبیری سے زندگی پاتا ہے اور باطل آخر حسرت کی موت کا داغ بن جاتا ہے۔

۹ تا ۱۱۔ جب خلافت نے قرآن مجید سے تعلق توڑ لیا، حریت کے حلق میں زہر ڈال دیا گیا تو ملت اسلامیہ کا وہ نمایاں ترین فرد (جلوہ) یوں اُٹھا۔جیسے قبلے کی جانب سے گھنگھور گھٹا اُٹھتی ہے۔یہ گھنگھور گھٹا کربلا کی زمین پر برسی اور چھٹ گئی۔ویرانوں کو لالہ زار بنایا اور چل دی۔

۱۲۔ قیامت تک کے لئے ظلم و جور اور جبر و استبداد کی جڑ کاٹ دی۔امام حسین رضی اللہ عنہ کی موجِ خوں نے حریت کا گلزار کھلا دیا۔

۱۳۔ امام عالی مقام حق کی خاطر خاک و خون میں تڑپے اور کلمۂ توحید کی بنیاد بن گئے۔

۱۴۔ اگر اُن کا مقصد سلطنت ہوتا تو اپنے معمولی ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے کوفہ کی طرف کیوں جاتے؟

۱۵۔ اُن کے دُشمن صحرا کی ریت کی طرح بے شمار تھے اور اُن کے رفقاء کی تعداد یزداں کے حروف کی تعداد کے برابر تھی۔

۱۶۔ امامِ حسین رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے آئینہ دار تھے۔وہ قربانی اجمال تھی تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی تفصیل تھی۔

۱۷۔ تلوار صرف دین کی عزت کے لئے بے نیام ہو سکتی ہے۔اس کا مقصد صرف شریعت کی حفاظت ہے۔

۱۸۔ مسلمان خدا کے سوا کسی کا غلام نہیں ہو سکتا۔اُس کا سر کسی فرعون کے آگے نہیں جھک سکتا۔

۱۹۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون نے اِن اسرار کی تفسیر کر دی اور سوئی ہوئی ملت کو بیدار کر دیا۔

۲۰۔ انہوں رضی اللہ عنہ نے لا کی تلوار میان سے کھینچی تو اہل باطل کی رگوں سے خون نکال دیا۔

۲۱۔ الا اللہ یعنی توحید کا نقش صحرا کے سینے پر ثبت کر دیا اور ہماری نجات کا عنوان تحریر کر دیا۔

۲۲۔ ہم نے قرآن کے اصل معنی حسین رضی اللہ عنہ سے سیکھے ہیں اور انہیں کی روشن کی ہوئی آگ سے شعلے جمع کیے ہیں۔

۲۳۔ شامِ بغداد اور غرناطہ کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔

۲۴۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کی مضراب اب بھی ہمارے دل کے تار چھیڑتی ہے اور اُن کے نعرۂ تکبیر سے اب بھی ہمارا ایمان تازگی پاتا ہے۔

۲۵۔ اے صبا! اے دور افتادہ لوگوں کی قاصد! ہمارے آنسوؤں کا ہدیہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے مرقدِ مقدس تک پہنچا دے۔

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ دراصل انسانیت کے ماتھے کا جھومر اور تاریخ انسانی کا ایسا وقار اور اعزاز ہے جس کی حقیقت کا عرفان حاصل کرنا ایک اسلامی معاشرت کے قیام و استحکام کے لئے لازمی و لابدی ہے۔

امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا آغوشِ بتول رضی اللہ عنہ میں پرورش پانا اور نگاہِ رسول ﷺ میں تربیت سے ہمکنار ہونا اُن کی ذات گرامی کو ہی عنوانِ حیات نہیں بناتا بلکہ دُنیا بھر کی تمام ماؤں کے لئے بھی اسوۂ کامل پیش کرتا ہے۔

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہل حق حریت آموز از حسینؓ
سیرتِ فرزندہا از اُمہات
جوہر صدق و صفا از اُمہات

۱۔ نوائے زندگی میں سارا سوز حسین رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اہل حق حسین رضی اللہ عنہ سے حریت کی روح حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ بیٹوں کی سیرت مائیں تشکیل دیتی ہیں سچائی اور خلوص کے جوہر مائیں پیدا کرتی ہیں۔

۳۔ ایمان کی کھیتی کا پھل فاطمۃ الزہراء ہیں ماؤں کے لئے فاطمۃ الزہراء اسوۂ کامل ہیں۔

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اُسوۂ کامل بتولؓ

اُسوۂ کامل کی ضرورت ہے۔

تا حسینے شاخِ تو بار آورد
موسمِ پیشیں بگلزار آورد

ترجمہ: تا کہ تیری شاخ پر حسین جلوہ گر ہو اور تیرے باغ میں بہار کا موسم لائے۔

دورِ حاضر میں بصحوائے آیت قرآنی **ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس** جو فسادِ عظیم برپا ہو چکا ہے اور جو قاتل انسانیت عالمی سیاسی رویے تشکیل پا چکے ہیں اُن کے تدارک کے لئے علامہ اقبال آج پھر اُسوۂ حسینی رضی اللہ عنہ کے احیاء کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ریگ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حسین باز دہ کوفہ و شامِ خویش را

ترجمہ: عراق کی ریت منتظر ہے حجاز کی کھیتی پیاسی ہے۔

خدایا! کوفہ و شام کو دوبارہ خونِ حسین رضی اللہ عنہ سے سیراب کر۔

علامہ اقبال فقر قرآن کی حقیقت بیان کرتے ہیں تو اس کی وضاحت کے لئے اُسوۂ حسینی رضی اللہ عنہ کا حوالہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

فقر قرآں احتساب ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود
فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر اُو مولا صفات
فقر چوں عریاں شود زیر سپہر
از نہیب اُو بلرزد ماہ و مہر
فقر عریاں گرمی بدر و حنین
فقر عریاں بانگِ تکبیر حسینؓ

۱۔ قرآنی فقر حاضر و موجود کا احتساب کرتا ہے نہ کہ موسیقی، مستی اور رقص و سرود میں ڈبو دیتا ہے۔

۲۔ مومن کا فقر کیا ہے؟ ہر سمت غلبہ حاصل کرنا اور اس فقر کی تاثیر سے بندے کے اندر خدائی صفات جلوہ گر ہوتی ہیں۔

۳۔ جب حقیقی فقر زیر فلک آشکار ہوتا ہے تو اس کے خوف سے آفتاب و ماہتاب لرزتے ہیں۔

۴۔ فقر کو آشکار دیکھنا ہو تو بدر و حنین کی حرارت دیکھو اور حسین رضی اللہ عنہ کا نعرۂ تکبیر بھی فقر قرآنی کو ہی آشکار کرتا ہے۔

''حرفے چند با اُمت عربیہ'' کے زیر عنوان اُمت عربیہ اور اُمت اسلامیہ کو احیاء اور نشاۃِ ثانیہ کا پیغام دیتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک اصول' ایک رویئے ایک طرز زندگی' ایک فلسفہ حیات اور ایک اندازِ فکر کی ترجمانی کرتے ہیں جو سراسر قرآنی اندازِ نظر' اسلامی رویہ فکر ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو اسی رویے اور اندازِ فکر کا پیکر جمیل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اے درو دشتِ تو باقی تا ابد
نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد؟
در جہانِ نزد و دور و دیر و زود
اولیں خوانندۂ قرآں کہ بُود؟
رمزِ الا اللہ کرا آموختند؟
ایں چراغ اوّل کُجا افروختند؟
علم و حکمت ریزۂ از خوانِ کیست؟
آیۂ فاصبحتم اندر شانِ کیست؟
از دمِ سیراب آں اُمی لقب
لالہ است از ریگ صحرائے عرب
بہر خداوندِ کُہن را او شکست
ہر کُہن شاخ از نمِ او غنچہ بست
گرمیِ ہنگامۂ بدرو حنین
حیدرؓ و صدیقؓ و فاروقؓ و حسینؓ

۱۔ اے مردِ مسلماں! تیرے میدان اور تیرے صحرا تا ابد باقی رہیں ذرا سوچ کہ قیصر و کسریٰ کی نفی کا نعرہ کس نے بلند کیا؟

۲۔ اس قُرب و بُعد اور دیر و زُود کی دُنیا میں سب سے پہلے قرآن پڑھنے والے کون تھے؟

۳۔ (تمہارے اسلاف نے) الا اللہ کا حقیقی معنی کس سے سیکھا اور اس چراغ حق کو سب سے پہلے کہاں سے روشن کیا؟

۴۔ علم و حکمت کس کے دسترخوان کے ریزے ہیں؟ اور فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناً (اور تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے) کس کی شان میں نازل ہوا ہے۔

۵۔ جب سے اُمی لقب ختم الرسلین ﷺ نے صحرائے عرب کو سیراب کیا' تب سے وہاں گلاب کے پھول کھل رہے ہیں۔

۶۔ اس عظیم ہستی ﷺ نے ہر قدیم جعلی خدا کی خدائی پاش پاش کر دی اور ہر سُوکھی شاخ اُن کے غم سے غنچہ بداماں ہوگئی۔

۷۔ بدر و حنین کے ہنگاموں کی ساری حرارت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے دم سے تھی۔

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی نوعیت' حقیقت اور عظمت اِس قدر جامع' ہمہ گیر اور وراء الورٰی ہے کہ جس کے تمام پہلوؤں اور ہمہ گیر اثرات پر خامہ فرسائی کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے اور جاری رہے گا۔ علامہ اقبال نے جس نگاہ سے اِس عظیم واقعہ کو دیکھا ہے' اُس نقطہ نظر اور زاویۂ فکر کا ایک اظہار یہ بھی ہے۔

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیِ محفل نہ کر قبول!
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول!
باطل دوئی پسند ہے' حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

وفیات

اور بڑھی تاریکی

آہ!

☆ حضرت صاحبزادہ سلطان **فیاض الحسن** قادری کی **والدہ ماجدہ** کی رحلت

☆ حضرت مولانا **مختار احمد** ضیاء

ملک محبوب الرسول قادری کا سوگوار کالم

ایک بزرگ خاتون کی رحلت

سماجی خدمات کے حوالے سے جدوجہد کرنے والی تنظیم اسلامک ہیلپ کے مرکزی راہنما حضرت صاحبزادہ سلطان نیاز الحسن قادری، آستانہ حسن دربار حضرت سلطان باہو کے سجادہ نشین صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن قادری کی والدۂ ماجدہ طویل علالت کے بعد ۹ مارچ ۲۰۰۷ء کو انتقال کر گئیں۔ ان کی عمر ۸۵ برس تھی۔

مرحومہ ایک نیک فطرت، خلیق، رحم دل، دانا، سخی اور سلیقہ مند خاتون تھیں انہوں نے اپنی ساری زندگی اولاد کی تعلیم و تربیت پر خوب توجہ دی۔ دربار حضرت سلطان باہو (جھنگ) کے احاطہ میں نماز جنازہ پڑھا گیا جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی انہیں آستانہ حسن میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

جامعہ اسلامیہ لاہور کے پرنسپل مفتی محمد خان قادری، کاروانِ اسلام کے سیکرٹری جنرل علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری، کونسل آف جرائد اہل سنت پاکستان کے صدر ملک محبوب الرسول قادری، سیّد خورشید گیلانی ٹرسٹ کے چیئرمین صاحبزادہ سیّد احسان احمد گیلانی، حضرت سلطان باہوؒ کے ٹرسٹ کے ڈائریکٹر جنرل علامہ محمد اسلم شہزاد اور نامور صحافی محمد نواز کھرل نے مرحومہ کے انتقال پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے مرحومہ کی

مغفرت و بلندیٔ درجات کی دُعا کی ہے اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دُعا کی ہے۔ نیز ۱۳ اپریل ۲۰۰۷ء، جامعہ اسلامیہ لاہور میں تعزیتی ریفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے۔

بُلبلِ مدینہ

زاہد الیاس رحمانی کی رحلت

ملک کے ممتاز نعت خواں زاہد الیاس رحمانی ۱۳ مارچ ۲۰۰۷ء بروز منگل انتقال کر گئے ان کی عمر ۵۳ برس تھی مرحوم کو میانی صاحب قبرستان لاہور میں سپرد خاک کر دیا گیا مرحوم گذشتہ چالیس سال سے نعت خوانی کی سعادت حاصل کر رہے تھے انہیں مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گنبدِ خضرا شریف پر رنگ و روغن کرنے کا شرف بھی نصیب ہوا۔ وہ بہت اعلیٰ کلام کے انتخاب، درست تلفظ کی ادائیگی اور باوقار لہجہ سے نعت شریف پڑھنے میں خاص مقام رکھتے تھے۔ مرحوم نے اپنے پسماندگان میں دو بیٹے محمد نعمان الیاس رحمانی اور محمد عثمان الیاس رحمانی، دو بیٹیاں اور ایک بیوہ کے علاوہ بے شمار عقیدت مند سوگوار چھوڑے ہیں مرحوم کی نماز جنازہ جامع مسجد بلال مسلم ٹاؤن لاہور کے گراؤنڈ میں ادا کی گئی اور ۱۴ مارچ ۲۰۰۷ء کو اسی مسجد میں بعد نماز ظہر محفل قل خوانی منعقد ہوئی۔ جس کی اختتامی دُعا حضرت محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری نے فرمائی جبکہ ملک بھر سے اہم شخصیات نے شرکت کی۔

کاروانِ اسلام کے سربراہ حضرت مفتی محمد خان قادری، علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری، ملک محبوب الرسول قادری، جامعہ اسلامیہ لاہور کے اساتذہ، بزم اسلامیہ کے عہدیداران اور جامعہ اسلامیہ لاہور کے طلبہ نے مرحوم کی مغفرت و بلندیٔ درجات کی دُعا کی ہے۔

دینی طبقات کے لئے عظیم خوشخبری

اسلامک میڈیا سنٹر

Islamic Media Centre

مشنری جذبے سے سرشار، اشاعت و ابلاغِ دین کا منفرد ادارہ

☆ یہ ادارہ قومی پریس میں اہل سنت کی نمائندگی کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ دینی تقریبات کی پریس کوریج، خبروں اور تصاویر کی اشاعت، تہواروں پر خصوصی اشاعتوں، مضامین، کالم، اشتہارات، انٹرویو، تجزیے اور تبصروں کی اشاعت ہمارا ہدف ہے۔

☆ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں جملہ کوریج کے لئے ہمیں خدمت کا موقع دیں۔

☆ اسلامک میڈیا مختلف موضوعات پر تحقیق، تصنیف و تالیف، تراجم، ڈیزائننگ، کمپوزنگ اور طباعت و اشاعت کا مثالی مرکز ہے۔

☆ سلسلہ وار رسائل و جرائد کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کے لئے ہماری خدمات حاضر ہیں۔

☆ بیرون ممالک میں مقیم اہل وطن کی کتابوں / رسائل کی معیاری تحریر و اشاعت کا انتظام موجود ہے۔

ضابطہ: ایک دام، ایک معیار، وقت کی پابندی، ادھار قطعی بند

مزید تفصیلات کے لئے رابطہ فرمائیں۔

ملک محبوب الرسول قادری (چیئرمین) اسلامک میڈیا سنٹر
27-اے شیخ ہندی سٹریٹ دربار مارکیٹ، لاہور
فون: 42-7214940 ۔ موبائل: 0300-9429027

ایک جھلک

- پیغام قرآن، ارشادات نبوی ﷺ، سیرت پاک ﷺ
- دل، روح اور اخلاق کے تزکیہ و تربیت کے لئے اثر انگیز تحریریں
- ایمان، عبادات، اخلاق، آداب، معیشت، سیاست، تصوف
- عقائد اور معاشرت کے موضوع پر ٹھوس مضامین
- زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے سرکردہ راہنماؤں کے انٹرویوز
- فقہ و اجتہاد کی علمی و تحقیقی بحثیں
- اہم دینی، تہذیبی، سماجی، اخلاقی معاملات اور مسائل کے حل پر مبنی فکر افروز مواد
- شاندار اسلامی تاریخ کے اہم واقعات اور حالات۔
- عظیم مسلم شخصیات کے تذکرے۔
- ایسی زندہ کتابوں پر جاندار تبصرے اور تعارف جو زندگیاں بدل دیتی ہیں
- عالم اسلام میں جاری آزادی و حریت کی تحریکوں کے حالات و واقعات
- اہم دینی، علمی اور روحانی شخصیات کے افکار، نظریات اور تاثرات

Monthly
Soo-i-Hijaz Lahore.
Reg. No. MB/LRL.No. 206
Vol. 13 No.1,2,3 Mar. 2007

امیرِ کاروانِ اسلام مفتی محمد خان قادری کی دیگر کتب

- شرح اج سک متراں دی
- حضور ﷺ کے آباء کی شانیں
- والدین مصطفےٰ ﷺ کا زندہ ہو کر ایمان لانا
- علماء نجد کے نام اہم پیغام
- جسم نبوی ﷺ کی خوشبو
- کیا سگِ مدینہ کہلوانا جائز ہے؟
- ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی ﷺ
- سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
- صحابہ اور بوسہ جسم نبوی ﷺ
- محبت اور اطاعت نبوی ﷺ
- نعل پاک حضور ﷺ
- صحابہ اور علم نبوی ﷺ
- امام احمد رضا اور مسئلہ ختم نبوت ﷺ
- قصیدہ بردہ پر اعتراضات کا جواب
- خواب کی شرعی حیثیت
- علم نبوی ﷺ اور امور دنیا
- معراج حبیبِ خدا
- محافل میلاد اور شاہِ اربل
- حضور ﷺ کی رضاعی مائیں
- ترک روزہ پر شرعی وعیدیں
- عورت کی امامت کا مسئلہ
- عورت کی کتابت کا مسئلہ
- معارف الاحکام
- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم
- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم
- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم
- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم
- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم
- فتاویٰ رضویہ جلد چہاردم
- ترجمہ فتاویٰ جلد پانزدہم
- ترجمہ اشعۃ اللمعات جلد ششم
- ترجمہ اشعۃ اللمعات جلد ہفتم
- صحابہ اور محافلِ نعت
- صحابہ کے معمولات
- علم نبوی ﷺ اور منافقین
- حضور ﷺ رمضان کیسے گزارتے ہیں؟
- سدرہ تیری راہ گزر
- منہاج اصول الفقہ
- ذخائرِ محمدیہ ﷺ
- فضائل نعلین حضور ﷺ
- شرح سلام رضا
- نور خدا سیّدہ حلیمہ کے گھر
- اسلام اور تحدید ازواج
- اسلام میں چھٹی کا تصور
- مسلک صدیق اکبرؓ عشق رسول ﷺ
- شبِ قدر اور اسکی فضیلت
- صحابہ اور تصور رسول پاک ﷺ
- اسلام اور احترام والدین
- والدین مصطفےٰ ﷺ جنتی ہیں
- نسب نبوی ﷺ کا مقام
- وسعت علم نبوی ﷺ
- اسلام اور احترام نبوت ﷺ
- اسلام اور خدمت خلق
- نظام حکومت نبوی ﷺ
- فضیلت درود وسلام
- شان نبوت ﷺ
- تفسیر سورۃ الضحیٰ والم نشرح
- شاہکار ربوبیت ﷺ
- ایمانِ والدین مصطفےٰ ﷺ
- حضور ﷺ کا سفر حج
- امتیازات مصطفےٰ ﷺ
- درِ رسول ﷺ کی حاضری
- صحابہ کی وصیتیں
- رفعتِ ذکر نبوی ﷺ
- مزاحِ نبوی ﷺ
- تبسم نبوی ﷺ
- منہاج النحو
- منہاج المنطق
- مقصد اعتکاف
- تفسیر سورۃ الکوثر
- تفسیر سورۃ القدر
- امامت اور عمامہ
- عصمت انبیاء
- روح ایمان، محبت نبوی ﷺ
- علم نبوی ﷺ اور متشابہات

Why Did The BELOVED PROPHET (SAW) Perform Many Nikkahs?

- کیا رسول اللہ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائیں؟
- آنکھوں میں بس گیا سراپا حضور ﷺ کا
- رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کو ترک فرمانے کی حکمتیں مسئلہ ترک
- حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں اسلاف کا مذہب
- بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور کا فیصلہ خطا نہیں
- قرآنی الفاظ کے صحیح مفاہیم
- حضور ﷺ نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟
- نماز میں خشوع وخضوع کیسے حاصل کیا جائے؟
- حدیث شریک پر اعتراضات کی حقیقت
- احوال وآثار۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی
- والدین مصطفےٰ ﷺ کے بارے میں صحیح عقیدہ
- تحریک تحفظ ناموس رسالت کی تاریخی کامیابی
- محفل میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ
- اللہ اللہ حضور کی باتیں ایک ہزار احادیث کا مجموعہ
- میلاد النبی اور شیخ ابوالخطاب ابن دحیہ
- مشتاقان جمال نبوی ﷺ کی کیفیات جذب ومستی
- تفسیر کبیر (آخری بائیس سورتوں کا ترجمہ)